زیرِ سبزہ محوِ خواب
شاعری
ڈاکٹر ترنم ریاض
Meer Zaheer Abass Rustmani
اڑے ہیں زاغ ہنسوں کے نگر میں
ہوا ہے داغ رُو گلزار اپنا

PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ

That He might justify truth and prove falsehood false, distasteful though it be to those in guilt.

زیرِ سبزہ محوِ خواب

(شاعری)

ڈاکٹر ترنّم ریاض

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

یہ کتاب اردو اکادمی دہلی کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے۔
اس کے مشمولات سے اکادمی کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

ZER-E-SABZAH MEHV-E-KHWAAB

(Poetry)

by

Dr. Tarannum Riyaz

C-11 Jangpura Extn. New Delhi-110013
tarannumriyaz@gmail.com

Year of Edition 2015
ISBN 978-93-5073-597-8
₹ 200/-

نام کتاب	:	زیرِ سبزہ محوِ خواب (شاعری)
مصنفہ وناشر	:	ڈاکٹر ترنّم ریاض
سنِ اشاعت	:	۲۰۱۵ء
قیمت	:	۲۰۰ روپے
تعداد	:	۴۰۰
مطبع	:	عفیف پرنٹرس، دہلی۔٦

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com
website: www.ephbooks.com

وادیٔ کشمیر کے نام

مخالف ساعتوں میں تجھ کو ہمدم کون رکھے گا
مری وادی ترے زخموں پہ مرہم کون رکھے گا

ڈاکٹر ترنّم ریاض

فہرست

☆☆

پیش لفظ

خدائے بزرگ و برتر نے صنف نازک کو زیادہ حساس بنایا ہے اور اس کے لئے دنیا نسبتاً وسیع بنائی ہے کہ لاکھوں بلکہ کروڑوں برس سے کسی بھی صنف کی مادہ کو مرد کی نسبت کام زیادہ تفویض ہوا ہے۔ اس پر افزائش نسل کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اس کا زیادہ حساس ہونا لازمی ہے۔ اسے ماحول کے بارے میں، رشتوں کے تئیں، موسم کے تعلق سے اور خوشی یا رنج سے متعلق معاملات میں، حالات پر زیادہ قدرت رکھنے کا اہل بنایا گیا ہے تا کہ کسی بھی طرف سے بڑھتے ہوئے خطرات سے وہ اپنے بچوں کا تحفظ کر سکے۔ جن ماؤں کے احساسات زیادہ شدید تھے، رفتہ رفتہ ان ہی کی نسلیں بڑھتی رہیں اور محفوظ رہیں۔ اُن میں یہ اشرف مخلوق بھی پائی جاتی ہے۔ گویا قدرت نے حیات کے تحفظ کا کام عورت کو سونپ دیا اور انا پرست مرد نے یہ سمجھ لیا کہ وہ ہتھیار بنا کر جب چاہے، زندگی ختم کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے۔ اس نے بستیوں کو اجاڑنا اپنا پیدائشی حق سمجھ لیا اور اس شوق کی تسکین کے لئے نت نئے ہتھیار تخلیق کرنا اپنے اولین فرائض میں شمار کر لیا۔ تہذیب سے پہلے کی ہم نہیں جانتے مگر تاریخ گواہ ہے کہ کرۂ ارض پر ایسا خونیں دور اتنے وسیع پیمانے پر اور اتنے طویل عرصے تک کبھی نہیں رہا کہ ایک قوم کے، کھوکھلے احساسِ برتری کے شکار لوگ ہر دوسری نسل کو نیست و نابود کرنے کے درپے رہیں۔ صدیوں منصوبے بنا کر کسی دوسری قوم کے قدرتی وسائل سے اس درجہ عدم تحفظ، حرص، طمع اور حسد کا شکار ہو جائیں کہ دنیا کے دوسرے بڑے

مذہب کو دہشت کے تصور سے وابستہ ثابت کرنے کی تشہیر کے لئے ذرائع ابلاغ کے جدید ترین اطوار ایجاد کرنا اور ان کا بے مہار استعمال کرنا اپنا شیوہ بنالیں۔ساتھ ہی، جہاں تک ہو سکے ان کے نام نہاد قائدین وعمائدین سے حتی الامکان ہر طرح کے فوائد اور سہولیات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں نئی نئی چالوں میں پھنساتے جانا بھی کارہائے ضروریہ میں شامل کرتے جائیں۔ان کی 'تقسیم کرو اور حکومت کرو' کی حکمتِ عملی دنیا بھر میں بدنام ہے مگر پھر بھی نادان لوگ ان کے زیر اثر گمراہ ہو رہے ہیں اور لحظہ بہ لحظہ اپنی قوم کا سودا کر رہے ہیں۔اور یہ بھی کہ عجم کو عرب سے کم تر سمجھتے رہنے والے لوگ رفتہ رفتہ اپنی ہی جڑیں کھودنے کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں مگر انہیں اس کا احساس ہی نہیں کہ ان کی خود پسندی اور ثروت مندی کے غرور پر کوئی منطق کام کرتی نظر نہیں آتی۔

کتاب کے تعلق سے یہ عرض کردیں کہ نثر ہو یا شعر، ہم نے کبھی بھی دو مختلف زبانوں کے الفاظ کو اضافت کے ذریعے مرکّب کر کے زبان کے تقدس کو پامال کرنے کی کوشش نہیں کی۔ہمیں زبان کی انفرادیت، شیرینی اور روانی کا پورا احترام ہے۔ ہمارے مشاہدات نے جو تصورات ہمیں عطا کئے ہیں ان کی شعری شکل آپ کو اس مجموعے میں ملے گی۔ان میں زندگی کے متعدد پہلو نظر آئیں گے۔ذہنِ انسانی مختلف سطحوں پر کام کرتا ہے۔تخلیق کار اپنے فن پر خود تبصرہ نہیں کر سکتے۔یہ قاری پر منحصر ہے کہ کس تخلیق کے تعلق سے اس کا کیا ردِ عمل ہو۔قارئین نے ہمارے فن کو ہمیشہ سراہا ہے۔ہمارے فکشن کی ہی طرح شعری تخلیقات کے اختتام پر آپ، فن پاروں میں خود کو شامل محسوس کریں گے کہ ان میں سوچ اور احساسات کے مطابق توسیع کا سارا سامان موجود ہے۔

مارچ ۲۰۱۵ء

ڈاکٹر ترنّم ریاض
C-11، جنگپورہ ایکسٹینشن، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۴

☆☆

پابند نظمیں

بصیر و سمیع

ترا جہان، یہ انسان، اس کی صناعی
تراش کر ترے پتھر، شجر، ندی رستے
سجائی ہیں تری گیتی کی کاکلیں اس نے
اسی کی سوچ ہے اس کو اجاڑنے میں بھی
نہ دے کے ذہن اسے کرتے اشرف الخلوق
نہ ہاتھ اپنے یہ بربادیوں سے یوں رنگتا
قیام رہتا مسلسل جو اس کا غاروں میں
تو صاف رہتی فضا، یہ زمین، یہ پانی
جہاں کی عمر دراز کی ہم دعا کرتے
تو تُو قبول بھی کرتا اسے، بصیر و سمیع

☆☆

ندیوں میں ہماری اشک بھرے

ندیوں میں ہماری اشک بھرے
قبروں پہ ہیں قبروں کے ٹیلے
بادام شگوفے پھر پھولے
اور کہرے میں ڈوبا ہے منظر
حیرت سے ہیں کوہ و دمن پتھر

پھر زنجیروں سے پیر الجھے
پھر قفل ذبح خانوں کے کھلے
پھر بیدِ معطر مہک اٹھے
پھر ہونٹ کی جنبش پر ہے نظر
حیرت سے ہیں کوہ و دمن پتھر

گلشن میں ہے راج بُولوں کا
شاخوں پہ ہے موسم جھولوں کا
یوں رنگ نہ چھینو پھولوں کا
پتہ پتہ جاتا ہے بکھر
حیرت سے ہیں کوہ و دمن پتھر

ہے ننھے ہاتھ میں گر کنکر
سنگین بڑھائے غارت گر
طائر چہکیں دیوداروں پر
ہو دار پہ طے معصوم سفر
حیرت سے ہیں کوہ و دمن پتھر
یہ کون پڑے ہیں سڑکوں پر
جیسے ہوں گرے کٹ کٹ کے شجر
چشمے اُبلیں سیماب بہ سر
پہلو میں چُبھیں سو سو نشتر
حیرت سے ہیں کوہ و دمن پتھر

☆☆

ہو تیری عمر میں برکت

محبت اتنے عرصوں کی
رفاقت اتنے برسوں کی
ترا یہ حسن یوسف سا
تری رنگت یہ سرسوں کی

تجھی سے ہے مری دنیا
تجھی سے ہے یہ گھر جنت
ہو تیری عمر میں برکت

ترا کردار لاثانی
تری گفتار لاثانی
بد عنوانی کے وقتوں میں
تری دستار لاثانی

تری دانش پہ نازاں ہے
مری وادی کی سب خلقت
ہو تیری عمر میں برکت

ترا رُو میرے بچوں میں
تری خُو میرے بچوں میں
مجھے اکثر نظر آئے
تو ہی تُو میرے بچوں میں
سدا ان پر رہے قائم
ترا سایہ، تری شفقت
ہو تیری عمر میں برکت

بس اتنا تھا تجھے کہنا
نظر کے سامنے رہنا
کہ دیکھ اب شام ڈھلتی ہے
پڑے گا غم مرا سہنا

ترے شانوں پہ جاؤں مَیں
ترے ہاتھوں سجے تربت
ہو تیری عمر میں برکت

☆☆
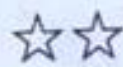
یاد کی وادیاں

ذرا ذہن کو یاد کی وادیوں میں کھلا چھوڑ آئیں
کہ دامن سے ماضی کی اِن دولتوں کو بھلا کیوں لٹائیں

وہ بگیا میں جھولا، وہ چڑیوں کا گانا
وہ کڑیوں میں مٹی سے گوندھا ابابیل کا آشیانہ
وہ گڑیوں کے تحفے وہ پھولوں کے زیور
وہ سوکھی ہوئی ٹہنیوں سے بُنے گھر
وہ نادان سکھیاں وہ بے ربط خوشیاں
وہ بھالو کے قصے وہ خوابوں میں پریاں،
اکیلے میں سوچوں کی محفل سجائیں
کہاں تک بھلائیں

نئے جامے کی گدگداتی وہ خوشبو
وہ جوتوں کی چرچر کا با رعب جادو
وہ امی کے ہاتھوں کے پکوان سوندھے
وہ بابا کے ہونٹوں سے نکلی دعائیں
کہاں تک بھلائیں

حنا ننھے ہاتھوں میں رچنے کی کوشش
برہنہ قدم دوڑ جانے کی خواہش
وہ پتوں سے چھنتی طلسمی سی دھوپیں
فسوں سا جگاتی ہوئی نرم بارش،
دوبارہ وہی لوک دھن گنگنائیں
کہاں تک بھلائیں

کھلے نل کے نیچے وہ پہروں ٹھہرنا
معلم کے انداز میں بات کرنا
پہننا بڑی چپلیں اور پھسلنا
وہ چھوٹی سی شے پر بہت سا مچلنا
وہ پھر آسماں رو کے سر پر اٹھانا
ہر اک سے بہت دیر منت کرانا،
کہاں سے وہ سب ناز بردار لائیں،
نہ کیوں نم ہوں آنکھیں نہ کیوں مسکرائیں

کہاں تک بھلائیں
کہ دامن سے ماضی کی ان دولتوں کو بھلا کیوں لٹائیں
چلو ذہن کو یاد کی وادیوں میں کھلا چھوڑ آئیں

☆☆

مرے بڈشاہ

وہ جہلم ہار کے اطراف موتی بستیاں ساری
بکھرتے ان گھروندوں میں رہیں اب پستیاں ساری
سراپا درد مندوں کی ہوئیں کیا ہستیاں ساری
کہ ہراک ناتواں جاں اپنی سُولی آپ ڈھوتی ہے
تری وادی مرے بڈشاہ زخم اشکوں سے دھوتی ہے

کئی جھیلیں ہوئیں دلدل، بہت پر جم گئی کائی
روپہلے پانیوں میں مچھلیوں نے چھب نہ دکھلائی
نہ لی سبزک نے ہی ڈبکی ، نہ بلبل کی صدا آئی
یہاں بکتے ہیں منطق، فرض، طاقت ہوش کھوتی ہے
تری وادی مرے بڈشاہ زخم اشکوں سے دھوتی ہے

ہوئے جنگلات صحرا اور بچے پیڑوں پہ ہے سکتہ
درندے شہر کو نکلے، پرندے راغب گریہ
گرا کر برق، وہ بلبل سے مانگیں سانس میں حصہ
بجز آدھے لٹیروں کے رعایا ساری روتی ہے
تری وادی مرے بڈشاہ زخم اشکوں سے دھوتی ہے

یہ مشترکہ مقابر کی خبر اے کاش ہو جھوٹی
پناہیں بن گئیں جو، کہتے ہیں لاکھوں سپوتوں کی
نہیں جن کی خطا کوئی تو پھر اُن کو سزا کیسی
ہوا ذرّہ نگاہِ غیر میں، جو ہیرا موتی ہے
تری وادی مرے بڈشاہ زخم اشکوں سے دھوتی ہے

یہ فردوسِ بریں کی سخت جاں، دیوانی سی مائیں
کہاں پر درد بانٹیں کس کو دِل کے داغ دِکھلائیں
نہ پھر جھوٹی تسلّی سُن کے سچے دل سے مُسکائیں
پہاڑوں وادیوں میں موت سبزہ اوڑھے سوتی ہے
تری وادی مرے بڈشاہ زخم اشکوں سے دھوتی ہے

نظر آتے ہیں اکثر بے تاثر گھومتے، چہرے
گُلوں ایسے عوارِض پر سجائے داغ اشکوں کے
انہیں پرواہ کیا اطراف کی، ہیں خود سے بیگانے
ٹھٹھک جاتے ہیں گھبرا کر مگر، آہٹ جو ہوتی ہے
تری وادی مرے بڈشاہ زخم اشکوں سے دھوتی ہے

بسایا لاکے کیوں اغیار کو، شاداب ٹیلوں پر
سبب پوچھیں طیُور، آجاتا ہے صیّاد حیلوں پر
جئے گا دستکار اب آخرش کیسے وسیلوں پر
کہ جُنبش جس کے ذرّیں ہاتھ کی موتی پروتی ہے
تری وادی مرے بڈشاہ زخم اشکوں سے دھوتی ہے

لبوں کی ایک حرکت پر ہیں سو پابندیاں عائد
جو ہو زیرک ترے جیسا ، وہ مُونس ، بے غرض قائد
اب آنے والے وقتوں میں نظر آئے نہیں شائد
زمیں، سلطان زین العابدیں، لاشوں نے جوتی ہے
تری وادی مرے بڈشاہ زخم اشکوں سے دھوتی ہے

(کشمیر کے آخری خود مختار بادشاہ سلطان زین العابدین کو رعایا محبت سے بڈشاہ کہتی ہے)

☆☆

زنگ آلودہ قلم

اٹھو زنبیل سے لو زنگ آلودہ قلم لکھو
چمن میں غنچہ و گُل پر جو ٹوٹا ہے ستم لکھو
اک عرضی جس پہ ہوں سچ ان سبھی محصور جانوں کے
ہوں اک پر دستخط مقہورِ متوقع جوانوں کے
اور اک پر مامتا کی آنکھ کے خوناب دھبے بھی
اور اک ہو مُو قلم سے مہندیوں کو ترسے ہاتھوں کی
اک عرضی میں سوالی، بھولی بھالی بے خبر نظریں
ہو اک میں التجا، سب بے خطا اپنی خطا سمجھیں

یہ لکھو ہم نے سینچا اس زمیں کو خوں سے اشکوں سے
ہیں اس مٹی میں جذب اپنے عرق آلود سب سجدے
کہ ہیں اجداد کے مدفن یہیں اگلے زمانوں سے
عیاں ہے ہر کہانی اپنی تاریخی فسانوں سے

شہادت دے کے لی ہے غیر سے خاکِ وطن پیہم
کہ لرزۂ جان ہو کر بھی نہ اس مٹی سے بچھڑے ہم

لکھو، طوطی چمن کی سمت سے گاتا ہے بے سُر ہے
یہ گُل چیں کا چمن آرا نظر آنا بھی اک گُر ہے
اور اس پر تاک میں ہے بے رحم صیّاد، یہ لکھو
نئی چالوں سے کرتا ہے قفس آباد، یہ لکھو
صبا میں خود ملاتا ہے وہ زہریلی ہوائیں بھی
وہ خوش خُو طائروں کے نام لکھتا ہے خطائیں بھی
بہت دن سے یہی ہے اس کا کاروبار، واضح ہو
محبت دل زمینوں پر اُگانا خار، واضح ہو

یہ عرضی جائے گی پھر قائدِ عادل کی خدمت میں
وفا کہتی ہے الفت کی نظر ہو پہلی فرصت میں
چلن ایوان میں ظاہر ہے رسمِ منصفی ہی ہے
عمل اک منصفانہ بھی مگر از بس ضروری ہے

نہ لمحے دور اندیشی کے، ہاتھوں سے نہ کہیں پھسلیں
کہ پھر دورِ اذیت کی یہ معتوب اور خفا نسلیں
بپھرتے بے کراں اس بحر کی سیلاب سر موجیں
کنارے ڈھونڈنے کو بر سر، پیکار جا نکلیں
اٹھیں طوفان کالی آندھی کر دے رات ہر دن کو
تو پھر اگلا سویرا کون کہہ سکتا ہے کیسا ہو
اٹھو زنبیل سے لو زنگ آلودہ قلم لکھو
چمن میں غنچہ و گل پر جو ٹوٹا ہے ستم لکھو

☆☆

کہیں کوئی نہیں

یہ کس نے بوئی ہیں چنگاریاں تیری زمینوں میں
یہ کس نے آگ سی سلگائی ہے معصوم سینوں میں
کوئی ویران موسم آبسا بارہ مہینوں میں
کہ جیسے ہوں نہ تاثیریں ہی اب جھکتی جبینوں میں

کسی نے باغباں بن کر جلایا مرغزاروں کو
کسی نے سائباں بن کر اجاڑا ہے بہاروں کو

خزاں نے دیکھ ڈالا گھر ترے سب لالہ زاروں کا
نشاط و چشمہ شاہی، ڈل، ولر کا شالماروں کا
ترے جھرنوں، پہاڑوں، ندّیوں کا، آبشاروں کا
سکوں کے ہر خزانے پر ہے پہرا شاہماروں کا

سبھی تیری زمیں پر چاہتے ہیں آسماں اپنا
جڑوں کو گھُن لگا کر ٹہنیوں پر آشیاں اپنا

تری ہر آبجو میں سمِّ قاتل کیوں ملایا ہے
ترے سب گلشنوں کو کس نے گورستاں بنایا ہے

یہ بلبل کے سریلے گیت کو کس نے ڈرایا ہے
دھنک رنگ آسماں پر یہ دھواں کیوں آن چھایا ہے

تری عظمت کے قائل شاہوں کی ہر یاد روتی ہے
ہزاروں سال کی تاریخ شرمندہ سی ہوتی ہے

خدائی نے کسی انصاف میں یوں دیر کی ہے کیوں
ترے صوفی بزرگوں نے خموشی سادھ لی ہے کیوں
خفا خورشید تجھ سے اور روٹھی چاندنی ہے کیوں
تری دشمن بنی آخر تری یہ سادگی ہے کیوں

تری چڑیوں کے نوحوں میں ترنّم کون لائے گا
ترے مجروح ہونٹوں پر تبسم کون لائے گا

فرشتہ امن کا اجڑے گھروں کو کب بسائے گا
جواں جانوں کے غم کی جھرّیوں میں مسکرائے گا
کنواری بوڑھیوں کی مانگ میں موتی سجائے گا
کہیں کوئی نہیں، کوئی نہیں ہے، کون آئے گا

مخالف ساعتوں میں تجھ کو ہم دم کون رکھے
مری وادی ترے زخموں پہ مرہم، کون رکھے گا

☆☆

خانہء جاں

گر پڑوں میں تو تم اٹھاتے ہو
ایستادہ ہوں تو گراتے ہو
پاس بیٹھوں تو بنتے ہو مصروف
دوری پر بھیجتے ہو دل ملفوف

یہ نہیں چاہ کا چلن جاناں
تم ہو ساتھی یا کوئی دشمنِ جاں

گر ہوں مشغول تو بلاتے ہو
بے تکی سی کوئی سناتے ہو
خود خراب اپنا کام کرتے ہو
اس کو میرے ہی نام دھرتے ہو

میں اگر خوش ہوں تو ہو تم نالاں
تم ہو ساتھی یا کوئی دشمنِ جاں

ہو شریکِ حیات مجھ کو ہے ناز
پر رفاقت کا تم نے پایا نہ راز

خانۂ جاں میں جیسے در انداز
خوش نوا طائر اور پنجۂ باز

گھر تمہارا ہے میری جائے اماں
تم ہو ساتھی یا کوئی دشمنِ جاں

میری سب خوبیوں سے رنجش سی
کوئی چنگاری زیرِ آتش سی
گفتگو پر بھی گویا بندش سی
قرب کی مر رہی یہ خواہش سی

بن نہ جائے حیات دشتِ تپاں
تم ہو ساتھی یا کوئی دشمنِ جاں

ضابطے عشق کے نبھاؤں گی
تم کو تا عمر چاہے جاؤں گی
دل کی باتیں کسے سناؤں گی
تم نہ پوچھو تو کیوں بتاؤں گی

بیت جائے گی یوں ہی عمرِ رواں
تم ہو ساتھی یا کوئی دشمنِ جاں

☆☆

آزاد وطن اپنا۔۔۔

زردار نے حاکم سے دریا بھی خریدے ہیں
تحسین کے باہم اب لکھواتے قصیدے ہیں
نظریں ہیں پہاڑوں پر کچھ ایسے ندیدے ہیں
قبضے میں صحافت ہو، تو کیسی مرّوت ہے
آزاد وطن اپنا چند ایک کی جنت ہے

غیروں کی نو آبادی اپنوں پہ ستم جب تھی
مشترکہ تھا اک مقصد، تقسیم کہاں کب تھی
امید تھی دن ہوگا، آنے کو مگر شب تھی
سمجھے تھے نیا سورج سب کے لئے راحت ہے
آزاد وطن اپنا چند ایک کی جنت ہے

پنہاں ہیں جوہر ان سنگلاخ خزینوں میں
وہ کہتے ہیں زر ان کا، ہے میری زمینوں میں
مٹی کی مہک بستی ہے جن کے پسینوں میں
کیا ان کا ہو مستقبل جب حال پہ ظلمت ہے
آزاد وطن اپنا چند ایک کی جنت ہے

جو رہتے ہیں صدیوں سے جنگل میں یا گاؤوں میں
طوق ان کے گلے میں کیوں، زنجیر بھی پاؤوں میں
مظلوم تو ملزم ہیں ، آجاتے ہیں داؤوں میں
رسوائیاں ان کی ہیں، زندان ہے ،ذلّت ہے
آزاد وطن اپنا چند ایک کی جنت ہے

ہے اصلحہ اتنا جب، دشمن بھی تو چاہیے ہے
دولت کی بقا کو پھر نردھن بھی تو چاہیے ہے
اشکوں کی روانی کو دامن بھی تو چاہیے ہے
دو وقت میں اک روٹی مل جائے تو قسمت ہے
آزاد وطن اپنا چند ایک کی جنت ہے

عیار نے پھیلائے ایوان ہواؤں میں
اک حبسِ مسلسل ہے عرصے سے فضاؤں میں
یہ برق سی کوندے جو خاموش گھٹاؤں میں
کس شے کا اشارہ ہے یہ کس کی علامت ہے
آزاد وطن اپناا چند ایک کی جنت ہے

☆☆

دور سے بج رہی بانسری

ضرب سی کوئی دل پر پڑی
آہ بھی لب تلک آگئی
لگ گئی آنسوؤں کی جھڑی
در سے لگ کر ہوں کب سے کھڑی

دور سے بج رہی بانسری
یوں فضاؤں کو غمگیں نہ کر

جن سے بستا تھا دل کا جہاں
بے سبب وہ ہوئے بد گماں
دیکھ رونے لگا آسماں
ناتوان جان پر آبنی

دور سے بج رہی بانسری
یوں فضاؤں کو غمگیں نہ کر

چل دیا کوئی منہ موڑ کر
بے رحم سی ہنسی اوڑھ کر
راہ میں مضطرب چھوڑ کر
اب بدوشِ ہوا تیرتی

دور سے بج رہی بانسری
یوں فضاؤں کو غمگیں نہ کر

خوش خُو و خوش ادا، خوش نوا
کتنی شیریں تھی تیری صدا
تیرے نغموں کو کیا ہوگیا
آج کیوں نوحہ خواں سی لگی

دور سے بج رہی بانسری
یوں فضاؤں کو غمگیں نہ کر

درد بستی

جس کے چشموں کو کہا اقبالؒ نے سیماب آب
جس کے رعبِ حسن کی نظریں نہ لا سکتی ہوں تاب
وادیء کشمیر کی سب وادیوں میں انتخاب
درد پورہ ہے اُسی لولاب کا افسردہ خواب
اِس سے روٹھی شکل ہوگی کیا کہیں تقدیر کی
درد کی، دلگیر کی، زنجیر کی، نخچیر کی

سرو اس کے سر جھکائے اشک باری سی کریں
طائروں کے غول چھپ کر آہ وزاری سی کریں
لُٹ چکا ہے جن کا سب، وہ پردہ داری سی کریں
بے حس و خود سر انہی پر چاند ماری سی کریں
اب یہاں پر گو کہ اکثر خانماں برباد ہیں
مرگ گاہیں بھی بہت سی جابجا آباد ہیں

راہ گھر والوں کی دیکھیں باوَلی گھر والیاں
چوکھٹوں پر نوحہ خواں ہیں گیت کی متوالیاں
شالیاں کٹنے کی رُت میں گائیں کیوں کر بالیاں
غنچے مرجھائے بہت سے، سوکھی ساری ڈالیاں

خوش طبع، خوش شکل، خوش اطوار بانکے کیا ہوئے
پھول پھل کی وادیوں میں خار کیوں اگنے لگے

زیست اُن کی رہ گئی ہے بن کے اک پیہم عذاب
جن کو قدرت نے بنایا گوندھ کر میدہ گلاب
مہر تک شرمائے جن سے منہ چھپائے ماہتاب
پھر سیہ رُو کیسے آئے چھیننے اُن کا حجاب

حسن ہی اس سرزمیں کا اک بڑی تقصیر ہے
سادہ دل مخلوق اس کی قابلِ تعزیر ہے

درد بستی کی یہ بیوا قوم، یہ گونگی پکار
اب نہیں پتھرائی آنکھیں دید کی امیدوار
کوئی پرسش ہی کرے کچھ ہو سبیلِ روزگار
رحمتوں میں اور کتنی دیر ہے پروردگار

آسمانوں تک صدا پہنچے گی کب بیداد کی
شہر تک جاتی نہیں آواز بھی فریاد کی

نصف بیواؤں کی بھی اک پود بستی ہے اِدھر
جن کو عرصے سے نہیں ہے نصف بہتر کی خبر
اِک دیا جلتا ہے جو، خستہ کسی دہلیز پر
وہ نفی اثبات میں گم، ہے کوئی زخمی نظر

ذہن کہتا ہے کہ لوٹ آتا وہ، زندہ ہے اگر
دل تڑپتا ہے، وہ زنداں میں ہے آجائے گا گھر

مرد سارے مر گئے تو گاؤں کو دیکھے گا کون
مفلس و محتاج سی بیواؤں کو دیکھے گا کون

لاپتہ بیٹے ہوئے، تو ماؤں کو دیکھے گا کون
دستِ ناز اور مہندی والے پاؤں کو دیکھے گا کون

بھولی آنکھیں، پھول چہرے، پیرہن یہ تار تار
کس ڈگر کو جاتی ہے ننھے یتیموں کی قطار

بھُورے صاحب

تم تو کوئی قفقاز نہ تھے ، پر نوچنے والے باز نہ تھے
بھورے صاحب کیوں بدل گئے، پہلے تو یہ سب انداز نہ تھے
کیا اس تقسیم کی خاطر ہی قربان ہوئے تھے اہلِ وطن
کیا اس تعبیر کی خاطر ہی باپو نے بنے تھے خوابِ چمن
سینے میں سوز تھا، ہاتھوں میں زہریلی دھنوں کے ساز نہ تھے
بھورے صاحب کیوں بدل گئے پہلے تو یہ سب انداز نہ تھے
تم نے تو صعُوبت دیکھی تھی، زِندان کی سختی جھیلی تھی
صدیوں دشنام، دغا، ذلت، اندوہ، الم تھے، پھانسی تھی
جب ایک تھا مقصد، ایک لگن، محمود نہ تھے، ایاز نہ تھے
بھورے صاحب کیوں بدل گئے پہلے تو یہ سب انداز نہ تھے
بدلا ہے تمہارا پہناوا، اپنائی ہے تم نے غیر کی خُو
آتی ہے تمہاری باتوں سے فاقہ مستوں کے سانس کی بُو
ذو معنی' سیاست والے کبھی ایسے بھی بُتِ طناز نہ تھے
بھورے صاحب کیوں بدل گئے پہلے تو یہ سب انداز نہ تھے
جس ہاتھ کو بوسہ دیتے ہو، جاں لے کر لوٹ گیا زر، وہ
تاج اپنا سجانے کی خاطر چھینا ہے تمہارے نُور کا کوہ

عیبوں کی طرح پوشیدہ رکھو، ایسے تو تمہارے راز نہ تھے
بھورے صاحب کیوں بدل گئے پہلے تو یہ سب انداز نہ تھے

سڑکوں سے تمہاری گاڑی بڑی، نام اپنے کرو کوئی بھی زمیں
تم تھوڑے سے اور کروڑوں کے حصے میں جگہ گز بھر کی نہیں

آزادی کا ہر سکھ تم کو ملا، بے گھر کے یہ نخرے ناز نہ تھے
بھورے صاحب کیوں بدل گئے پہلے تو یہ سب انداز نہ تھے

تتلیاں

جیسے نازک پروں والی ہیں تتلیاں
جن کے چھونے سے رنگین ہوں انگلیاں
تڑپیں الھڑ ہنسی میں کئی بجلیاں
کتنی معصوم ہیں ان کی سرگوشیاں
سرسراہٹ ہو زینے پہ ملبوس کی
اور مہک اُنھیں رنگین سی چیزیاں
میرے جانے کے غم میں ہوا ہوگئیں
بھولی نظروں میں چھپتی ہوئی شوخیاں
کیسے ان سے جدائی گوارا کروں
بات پردیس کی اور مجبوریاں
کھلتے پھولوں کی صورت رہیں، خوش سدا
خوشبوؤں میں بسی
چاہتوں کی گندھی
چاندنی سے دھلی
یہ میری بھانجیاں

☆☆

سوندھا آنگن

یہ مٹی کی خوشبو سے بھیگی ہوائیں
یہ گیلے شجر سرمئی سی گھٹائیں
کہ سڑکوں پہ نقشے بنادیتے یہ قطرے
معطر جھڑی سی لگادیتے قطرے
چھتوں سے سمٹ کر برستا یہ پانی
دریچوں سے ہٹ کر برستایہ پانی
یہ کھڑکی پہ چپ چاپ بیٹھا کبوتر
بہت دور تک پھیلا خوش رنگ منظر
دلائے کبھی یاد میرا لڑکپن
وہ بھیگے شجر اور سوندھا سا آنگن
میں دیکھے چلی جاؤں منظر یہ نم تر
بھلا دوں سبھی کام کچھ دیر یکسر
کہ جیسے غموں سے چھڑائے یہ بارش
مری ساری فکریں بہائے یہ بارش

☆☆

تری مشکل بھلا کیسے بڑھادوں

تری مصروفیت پر شک ہو کیسے
بلاتا ہوگا تو سچ مچ خوشی سے
مگر دن کٹ رہے ہیں جیسے تیسے
گلہ کوئی نہیں مجھ کو کسی سے

ہیں غم ممتا کے سارے، پیارے، اچھے
میں تیرے پاس آکر میرے بچے
تری مشکل بھلا کیسے بڑھا دوں

نہیں تو نے مجھے برسوں سے دیکھا
تمہیں حالت کا اندازہ نہ ہوگا
میں بدلی لگتی ہوں کتنی زیادہ
یہ اپنا چہرہ ہو جیسے کسی کا

غلط لگنے لگیں جوں موتی سچے
میں تیرے پاس آکر میرے بچے
تری مشکل بھلا کیسے بڑھادوں

شکستہ دل بدن بھی ہے تھکا سا
سراپا میرا مجھ پر بوجھ ایسا
یہ دوہرے سے گلوبند جیسا حلقہ
نہ پہنوں گر تو سر ہے درد کرتا

کہاں ہوتے ہیں سارے خواب سچے
میں تیرے پاس آکر مرے بچے
تری مشکل بھلا کیسے بڑھا دوں

سنبھالا یہ کشادہ گھر سمٹ کر
نہ دیکھا اپنی جانب تک، پلٹ کر
ورق دیکھے جو ماضی کے الٹ کر
تو پایا، رہ گئے سب مجھ سے کٹ کر

گھروندے خواب کے سب نکلے کچے
میں ترے پاس آکر مرے بچے
تری مشکل بھلا کیسے بڑھادوں

مری موجودگی کو گھر میں تیرے
تری دلہن کہیں دل پر نہ لے لے
ہے سچ، گھبراتا ہے جی بھی اکیلے
کہیں پھر ربط باتوں کا نہ ٹوٹے

نہیں مانوس سمجھ سے تیرے بچے
میں ترے پاس آکر مرے بچے
تری مشکل بھلا کیسے بڑھا دوں

☆☆

زمین کی کوکھ اجڑ رہی ہے

نہ کوئی موٹر، ڈرِلر نہ بلینڈر
نہ آہنی پنجہ اور نہ لیور

کہ انجنوں کی صدا سے مضطر
میں کتنی عاجز ہوں کیا بتاؤں

چلایا کرتے تھے بیل ہاتھی
یا اونٹ گھوڑے سے بھولے ساتھی

وہ چوبی گاڑی تھی کچی رہ پر
میں کتنی عاجز ہوں کیا بتاؤں

وہ ایک بلڈر پھر آ رہا ہے
مکان ڈھانے طوفان اٹھانے

یہ پس رہے ہیں کریشر میں پتھر
میں کتنی عاجز ہوں کیا بتاؤں

ٹرکوں سے سرئے اتر رہے ہیں
پھر ان میں ملبہ وہ بھر رہے ہیں

ہے وار پیہم سا کوئی بر سر
میں کتنی عاجز ہوں کیا بتاؤں

میں سر سنبھالے کدھر کو جاؤں
جو ندّیوں کو قدم بڑھاؤں

بہت ہیں خشک اور ہیں ڈیم کچھ پر
میں کتنی عاجز ہوں کیا بتاؤں

قدم کہاں وادیوں کو اٹھیں
عمارتوں میں پھنسی ہیں سڑکیں

پہاڑ جنگ لُٹا ئے رہبر
میں کتنی عاجز ہوں کیا بتاؤں

وہ دشت اپنے اکھاڑتے ہیں
زمیں کی کوکھ اجاڑتے ہیں

نہ ہوتے کاش اس میں دھات پتھر
میں کتنی عاجز ہوں کیا بتاؤں

☆☆

معدے سے دل کی جانب

(مزاحیہ)

جانور ذبح ہوں، گوشت پکتا رہے
زندگی میں بھلا اور کیا چاہیے
کھیر یا زردہ شیرمال اور کوفتے
زندگی میں بھلا اور کیا چاہیے
آنکھ کھلتے نہاری کا دیدار ہو
نان گرُدے کلیجی کا ہو ناشتہ
شوربہ ہو بٹیروں کا تیتر بھُنے
زندگی میں بھلا اور کیا چاہیے
نان، دستی ہرن کی، کہ شامی کباب
ساتھ چٹنی کے دیں ذائقہ لاجواب
ہو نہ بریانی گر تو پلاؤ پکے
زندگی میں بھلا اور کیا چاہیے
پائے سالن، سری یا بھُنی بوٹیاں
ہوں توے کی یا تندور کی روٹیاں

بھچہ، دو پیازہ اور ساتھ چوزے تلے
زندگی میں بھلا اور کیا چاہیے
بکرا ثابت، ہو مرغِ مسلم ضرور
ایسے پکوان پر مرتے ہیں باشعور
شاہی ٹکڑوں سے ہاں پھر پچا لیجئے
زندگی میں بھلا اور کیا چاہیے
وازہ وان اپنی وادیء کشمیر کا
شہرہ عالم میں ہے جس کی تاثیر کا
رستہ، گشتابہ، میتھی، مرچ قورمہ
اس کے آگے ہے کیا دنبہ و شورمہ
قہوہء زعفراں سے پچا لیجئے
زندگی میں بھلا اور کیا چاہیے
ہاں وہ سردی میں رگردے، ہریسے کے ساتھ
ہیں لذیز اس قدر، کھینچئے گا نہ ہاتھ
برف میں کلچے نون چائے بھی پیجئے
زندگی میں بھلا اور کیا چاہیے
بات ہمشیر یہ مت کبھی بھولئے
پی کے دل کی طرف جاتے سب راستے
ہو کے جاتے ہیں معدے کے ہی موڑ سے
اچھے پکوان سکھ کے لئے سیکھئے
زندگی میں بھلا اور کیا چاہیے

☆☆

آزاد نظمیں

بے حس ہمسائے

گلہریوں کے وہاں پہ تھے مسکن
پرند ستاتے تھے وہیں پر
وہ کچی سی کونپلیں جو شاخوں کے نرم ہاتھوں میں پل رہی تھیں،
سبھی کو تم نے فنا کیا ہے
کہ آری کی زد پہ چیختے تم کو اک شجر کی صدا نہ آئی
توانا ڈالیں تراش کر تم جو مطمئن ہو
یقین مانو،
تمہاری خوشیاں اب عارضی ہیں
تمہارے گھر پر نہیں ہے سایہ کسی شجر کا
نہ نیم سے چھن کے آئیں گی اب ہوائیں میلی تمہاری جانب
اشوک سایہ تمہارے برآمدے میں اب کے نہیں کرے گا
پلاش بھی روشنی میں رنگیں سا عکس اب کے نہیں بھرے گا
یہ آتے موسم کی دھوپ، لُو کے تھپیڑے لے کر،
تمہارے کمروں میں گھر کرے گی
نتھارتے تھے جو ساری آلودگی، وہ پتے مرے پڑے ہیں
یہ ٹوٹے ٹہنے اٹھائے لولے سے ہاتھ، تم کو ہی کوستے ہیں

مرے بھی آنسوں رواں ہیں کب سے
میری یہ شرمیلی کھڑکیاں کھو کے سبز پردہ سسک رہی ہیں
جہاں ہوں ہمسائے اتنے بے حس،
وہاں پہ اب میں رہوں تو کیسے

☆☆

دعاؤں سے بھری آنکھیں

سُبک ہاتھوں میں تھامے تیری ننھی مُنی باہیں
میں رنگیں اوڑھنی میں مسکراتی
ترے رخ سے لگائے اپنا چہرہ، ایسے خوش ہوں
کہ جیسے تجھ کو مجھ سے دور جانا ہی نہیں تھا
گزرتا وقت مجھ سے لے گیا میری عمریا
تو تُو بھی چل دیا خوابوں کے پیچھے
میری یادوں میں رکھ کے اپنا بچپن اچانک ہو گیا مجھ سے بڑا تو
میری کمزور بینائی تلاشے
تجھے کمروں میں، باغیچے میں، چھت پر
تیرے بن میرا ہر دن اک برس ہے مجھے ہر سال لگتا ہے صدی سا
ترے مضبوط شانے تھام کر اب،
نئی تصویر کھنچوانی ہے مجھ کو
کہ ان پھولی نسوں اور جھریوں میں
وہی ممتا بھری باہیں چھپی ہیں
جو تھیں تیری پسندیدہ پناہیں
دعاؤں سے بھری آنکھوں میں آنسو
چراغوں کی طرح روشن ہیں، آجا

☆☆

سخت لہجہ

ترے اس نرم دل کو توڑتا ہے سخت سا لہجہ
جگر پارے کی دوری سے جدھر دو لخت ہے تیرا
تجھے بابل کا آنگن یاد آ کر رلاتا ہے
کوئی تکلیف میں ہو، روح تیری درد کرتی ہے
پرندوں ننھے بچوں میں تو ڈھونڈتا کرتی ہے خوشیاں
میسّر ہے مگر تجھ کو مسرت کتنے لمحوں کی
تری زلفیں پریشاں ہیں
تری آنکھوں میں حلقے ہیں
بہانے ڈھونڈتا ہے دل ترا آنسو بہانے کے لیے
خدا نے کتنی محنت سے بنایا تھا کبھی تجھ کو
تجھے خود سے محبت آج تک کرنا نہیں آئی
خدا کے واسطے سوچو

☆☆

ہری دھوپ

معطر سے نم ہیں یہ جھونکے ہوا کے
ہری دھوپ میں گا رہے ہیں پرندے
مکاتب سے آئیں صدائیں دعا کی
بسیں چل رہی ہیں دکانیں کھلی ہیں
چلو آج ہم بھی ذرا گھر سے نکلیں
نہ کرفیو لگا ہے، نہ ہڑتال ہی ہے

مروتیں

مروتیں، یہ محبت، جدا جدا رشتے
دراصل کوئی حقیقت کبھی نہ رکھتے تھے
اس ایک بھول میں رہ کر تو ناسمجھ اکثر
ہر ایک شے سے رہی جیسے لاتعلق سی
گزرتے وقت نے یہ بات آشکارا کی
جہاں جس کو سمجھتا رہا شناخت تری
ترے وجود کو اُس سے کوئی ثبات نہ تھی
بھرم یہ رہنے دے قائم زمانے کی خاطر
کہ ایسے تیرے جہاں میں مخل نہ ہوگا کوئی
تو اپنے آپ میں اک انجمن سے کیا کم ہے

☆☆

چناروں کے بزرگ کنارے

سحر انگیز سی یہ شب عجب ہے
فلک پر مسکراتے ہیں ستارے
حلیمی سے بکھیرے جا رہا ہے
وہ شش روزہ قمر اپنی تجلّی
چناروں کے، بزرگ، اونچے کنارے
لیے بیٹھے ہیں ٹکڑے بادلوں کے
سبک جھونکا ہوا کا ایسا آیا
سمن کی بیل مہکی اِک ادا سے
مرے اور خوشبوؤں کے درمیاں اب
مخل آواز بھی کوئی نہ ہوگی
میں باغیچے میں اس کرسی پر بیٹھی
یہ قدرت کے کرشمے صبحِ نو تک
مسلسل دیکھتی جاؤں تو کیا ہو

☆☆

دکھتی ہے روح کیوں کر

اتنی حسین دنیا
کتنی حسین بارش
میری نظر سلامت،
رنجیدہ دل میں کیوں ہوں
وہ وار کر رہا ہے
گر میری پیٹھ پر تو
دل پر ہیں زخم کیسے
دکھتی ہے روح کیوں کر

☆☆

شہد

شیشۂ دل پہ نقش رہتا ہے
ترا معصومیت بھرا بچپن
دل پہ تیری جدائی کا پتھر
روح کو زخم زخم کرتا ہے
کچھ ہے شیریں بھی یہ خلش، ایسے
جیسے پہلے پہل شہد چکھتے
تو نے ننھے مسوڑھے سے اپنے
میری انگلی کا پور دابا تھا

☆☆

ہم وطن

گوری سی جلد پر سبز چادر لیے
کونا آنچل کا دانتوں تلے داب کر
چھوٹے چھوٹے قدم تیز اٹھاتی ہوئی
اشک آنکھوں میں، لب پر دعائیں لیے
سوئے درگاہ جاتی وہ دوشیزہ ہے
میرے ہی بھیس میں میرے ہی دیس میں

صبحِ فردا

اے صبحِ فردا
وہ کرنیں روپہلی
کچھ اس راستے بھی
کہ مدت سے چھائے ہیں نم ناک بادل
مری اس فضا میں ہیں غمناک آہیں
اِک عرصے سے گریہ میں گم ہے ضعیفی
گرہستی ہے مصروف آہ و بکا میں
اور آنسو بہاتی ہے رہ رہ کے طفلی
نہیں مسکراتی ہے دوشیزہ کوئی
کہیں نوجواں تشنہ لب، بے اماں ہیں
کہیں کھودی جاتی ہی اپنی جڑیں ہی
سمن زار وکوہسار یا وادیاں ہوں
ہر اک شئے ہے بازاران کی نظر میں
ہیں جھیلوں کو دلدل بنانے کے درپے
جو عظمت کو اپنی نہیں یاد کرتے
وہ کیا اس خرابے کو آباد کرتے

☆☆

خزاں کے پتے

حسین و دل نشیں پتّو
یونہی رقصاں زمیں کی اور اترو
چناروں، دیوداروں سے
سفیدوں اور بیدوں سے
صنوبر، کائی فر سے
چیڑ پر سے
ان انجیروں کی ڈالوں سے
اُن انگوروں کی بیلوں سے
کہ آلوچے خوبانی، آڑو، گیلاسوں کی شاخوں سے
لُکاٹھ، آلو بخارے، سیب، اناروں کے درختوں سے
بہی اور ناکھ کی سب ٹہنیوں سے
یا خودرو جھاڑیوں سے
سوکھی سوکھی کیاریوں سے

شفق گوں، زرد، پیلے، لاجوردی، بھورے، مٹیالے، سنہرے
آبگینوں ایسے نازک گرمرے پتّو
یونہی رقصاں زمیں کی اور اترو
حسیں و دل نشیں پتّو
رگِ جاں سے قریب پتّو

☆☆

کوئی گر دیکھ لے تو؟

مرے سر پر ستاروں کا فلک ہے
مرے اطراف ہیں شاخوں کی باہیں
قطاریں گل کی، دامن چھو رہی ہیں
معطر نم ہواؤں میں بسی اس
شبِ دیجور سے کچھ حظ اٹھاؤں
کنارے باغ کے خاموش جھولا
بڑے دن سے ہے جیسے منتظر سا
میں سونے کے لیے جانے سے پہلے
اسے بچپن کی صورت جھول آؤں
کہ بالوں میں اتر آئی ہے چاندی
کوئی گر دیکھ لے تو کیا کہے گا

☆☆

اک بِٹیا

اَلگن پر لٹکی ہر چمٹی
پھیکے ملبوسات سمیٹے
میری جانب لہرائی تو
مسکاتی میں اندر پلٹی
گھر میں بھنوروں سی گُن گُن ہے
جیسے دو، اکتارے بجتے
جنگل میں جھرنا گرتا ہو
یا پھر 'سا' اور 'رے' کے دوسُر
بحث کا موضوع اور ہی کچھ ہے
میرا اس پر زور ہی کیسا
اِن صاحب نے بازو موڑا
مچھلی سی شانے پر ابھری
اُنہوں نے بنیان اٹھائی
پیٹ کی چھ تختیاں دکھائیں
جھٹکے سے پھر ہاتھ ملائے
دھاڑ ایسے قہقہے لگائے

ان دیکھا سمجھوتہ کر کے
میز سے دور کرسیاں ہلائیں
سامنے اک اک کہنی دھر کر
ایک نظر مجھ پر بھی پھینکی
شکر دان ذرا تھرایا
رومالوں کا ڈبہ کانپا
اگلا منظر نیا نہیں تھا
ہوتی ہے پنجہ آزمائی!
دانت بھنچے ہیں شور مچا ہے
بس اک ہنگامہ برپا ہے
سُن غالب کے فاتح فقرے
بل، ماتھے مغلوب کے اُبھرے
کھینچ اسے صوفے پر ٹھیلا
پیٹ پر ٹِک جھولا سا جھولا

کچھ ہنستی حیران سی تکتی
میں کمرے سے باہر نکلی
یہ گر ہے یاری کا نقشہ
جھگڑے میں کیا ہو گا اللہ

کیا ہی اچھا ہوتا واللہ
گھر میں ہوتی ایسی ہستی
شیریں سی آواز اُبھرتی
بانسریا کی لے کے ایسی

بوندوں کی جھنکار سی میٹھی
چڑیوں کی چہکار سی باتیں
نرم تاثر والے مکھ پر
آنکھوں میں مرہم سا ہوتا
ہاتھ میں ہوتا لمس شفا کا
نظروں سے دل کا غم پڑھتی
روتے کو شانہ دے دیتی
دور اندیش سی سوچوں والی
استقلال پہاڑ ہے جس کا
دل کلیوں پھولوں سا نازک
آنکھوں میں ممتا ہی ممتا

اور
الگنی پر سوکھا کرتے
رنگ برنگے آنچل، کرتے
گھر میں بھی اک ضبط سا رہتا
ہر شے میں پھر ربط سا رہتا

☆☆

ایک نظم

کوئی لمحہ اک ایسی فرصت کا
جس میں دل رنج کی نہ سوچے بات
ذہن پر بوجھ کام کا بھی نہ ہو
جب نہ اطراف میں تناؤ رہے
ایسے منظر پہ ٹھہر جائے نظر
جو عدم فرصتی میں آ نہیں پاتا ہو نظر
گھاس چڑیاں پہاڑ اور شجر
ننھے بچے فلک کی نیلاہٹ
نرم سی دھوپ، سرمئی بادل
ایک لمحے بھی دل کو چھو لیں اگر
تو میں ایک نظم بھلا کیوں نہ کہوں

☆☆

خزاں کا پرندہ

منہ اندھیرے خزاں کی صبح میں میں
سن کے چہکار تیری حیراں ہوں
بلبلیں قمریاں کستوریاں اور فاختئیں
اب کئی دن سے نظر آتی نہیں
خشک ہے گھاس ہر اک باغ کی اور سارے شجر،
اپنی بے رنگ سی شاخیں لیے خاموش کھڑے
ٹہنیوں پر نہیں پتا کوئی
آشیاں تیرا بھلا ہوگا کہاں اے طائر
بے اماں گھومتا ہوگا تو بھی
جیسے بستے ہوئے گھر سے اٹھ کر
لوگ پردیس کو چل دیں اور پھر
سخت جاں سا کوئی واحد انساں
اجڑے اجڑے سے مکاں میں پھرے تنہا تنہا

☆☆

خالی سی دوپہر سے پہلے

خالی سے دوپہر سے پہلے
کام پہ ہو جب خانہ دار
اور بچے مدرسوں میں
گھر کے جھمیلے نپٹا کر
تھکی تھکی گرہستن جب ہو نیم دراز،
باغ میں پتّوں کے اندر سے
ستاتی سی مینائیں
بولیں چہکیں اور گائیں
تو گرہستن کے ہونٹوں پر
مسکاتی سی چیز کوئی
کچھ ایسے کھِلے جس میں
شام کو لوٹ کے آنے والوں کے چہرے بھی آئیں نظر
اور حسیں ہو ہر منظر

☆☆

جنگ میں جائز ہے سب کچھ

جنگ میں مرتے ہیں لوگ
ہوتے ہیں کتنے ہی اپاہج
اور بچے بھی یتیم
تم بھلا کس بات کا ماتم یونہی کرتے رہو گے
جنگ میں مر جانے والے
ایسے ہی مرتے رہیں گے
جنگ میں جائز ہے سب کچھ

☆☆

ٹوٹل کنفیوژن

کیا اس زمیں پہ رہنے کی دو ہی ہیں صورتیں؟
ظالم کے ساتھ ہو کے غضب ڈھاتے رہو، یا
مظلوم ہو کے خود پہ بھی جور و ستم سہو؟
پرچم اٹھاؤ گے اگر انصاف کے لئے
وہ پہلے کی صورت، نہ کوئی ساتھ چلے گا
اس کُرّہ ءارض کے کئی اذہان پہ طاری
ہے خوف مسلسل!
حرکات پر اپنی نہیں کل اختیار اس کو
کنفیوژ سا لگتا ہے جسے بھی کبھی ملئے

☆☆

بھائی بندُھو

مسلسل گر رہی بارش تھمی تو سارے طائر
ایک اک کر کے پناہگاہوں سے نکلے،
ڈھونڈنے اپنے عزیزوں کو
وہ چہکی مینا زوروں سے، صدا چڑیا کی بھری
ایک بلبل نے کہا کچھ، طوطا چیخا
گیت کستوری نے چھیڑا
پیڑ پر ڈمرو بجانے لگ گیا اک دارکوب
فاختہ کوکی، کہاہُد ہُد نے کُگُو کُو،
کوّا اک تشویش سے بولا مسلسل کائیں کائیں
اب کہاں بھیگے چھپے ہیں بھائی بندھو، باہر آئیں
پر سکھائیں

☆☆

جادوئی صبح

برس کر کوئی گھنٹہ بھر، اچانک رک گئی بارش
بڑے ہی خوشنما منظر نظر آتے ہیں شاخوں پر
سکھاتے ہیں بدن اپنے، کئی چھوٹے بڑے طائر
اُدھر ننھی سی پتلی چونچ سے وہ خوش نوا بلبل
اک اک کر کے سجاتی ہے پر اپنے اس نزاکت سے
کہ جیسے کوئی دوشیزہ سنوارے اپنی زلفوں کو
کنارے چھت کے بیٹھی چیل نے دو پنکھ پھیلائے
بڑی عجلت سے بھاگا اک کبوتر باغ کی جانب
سنبھالا ہے ہماری چائے کو اُونی ٹی کوزی نے
بکھیرا چاہتی ہے صبحِ نو سمٹا ہوا جادو

☆☆

زہریلی ہوا

یہ زہریلی ہوا آئی کہاں سے
گلوں کی گردنیں نیلی پڑی ہیں
ہر اک بلبل یہاں ہے نوحہ کنعاں
ہوئے لب خشک سے بادِ صبا کے
سسکتی ہے سحر گیسو بکھیرے
شفق سے خون کی بو آ رہی ہے
درختوں پر ہیں بیٹھے تاک میں گدھ
جواں اعضا کا کاروبار کرنے
کہ جس کو باغباں سمجھا تھا گلشن
وہ قاتل سا کوئی، خنجر بکف ہے

☆☆

ثبات

درختوں میں ہوا جھوما کرے گی
پرندے گائیں گے باغوں کے رخ پر
یونہی رقصاں رواں پانی بہے گا
گرے گی ایسے ہی سبزے پہ شبنم
کھلے گی شام کو پربت میں سرخی
یونہی کھیلیں گے میدانوں میں لڑکے
ملیں گی چھپ کے ہیریں رانجھوں سے
سنیں گے لوریاں ماؤں سے بچے
مری ہستی کی مٹھی بھر یہ مٹی
کہیں ذرّوں میں ذرہ ہو رہے گی

☆☆

کچّی راہیں

بڑی حلیمی سے سر اٹھائے تکا کریں یہ بلندیوں کو
کہیں اچانک ہی موڑ مڑ کر، یہ گھاٹیوں میں تمام ہو لیں
کبھی کئی شاخوں میں بٹیں یہ، کبھی اتر جائیں وادیوں میں
کبھی چھپیں برف کا بوجھ اوڑھے، کبھی گھنی بارشوں میں بھیگیں
کہیں یہ بکھری کہیں بجیلی، کہیں پہ بھوری کہیں رتیلی
کبھی یہ ناگن سی کھا کے بل دوریوں کو ناپیں، کبھی لچکتی پلٹ کے آئیں
ہتھیلیوں پر بنی لکیریں، یا ملنے رانجھوں سے جاتی ہیریں
بڑی محبت سے رخ یہ موڑیں، زمیں کے گوشے زمین سے جوڑیں
یہ رازداں سی یہ مہرباں سی، یہ رہبری کا حسیں نشاں سی
بھٹکتے راہی کی یہ پناہیں، کہ جیسے صوفی کی ہوں نگاہیں
پہاڑوں اور جنگلوں کو جاتی یہ سوندھی سوندھی سی کچّی راہیں

☆☆

محدّب شیشے

یہ چشمے کے پیچھے سے نظریں بچا کر
ترا چھت پہ جا کر، یہ سگرٹ جلانا
کبھی میز پر جھک کے خاموش لکھنا
میں سوؤں تو گھر میں دبے پاؤں چلنا
مجھے بیش قیمت سی شے کی طرح
موسموں سے بچانا
میں برآمدے میں جہاں بیٹھ کر شام کی سرمئی روشنی دیکھتی ہوں
وہیں پاس آکر کوئی بات کرنا

انہی دولتوں سے بھرا ہے یہ دامن برس ہا برس سے
مگر اپنے تازہ محدّب سے شیشوں سے
تم کو میں اب دیکھتی ہوں تو اک درد سا جاگتا ہے
نہ گر میں رہوں تو میری فرقتوں کو نبھاؤ گے کیسے
نہ تم گر رہو اور لینی ہوں سانسیں، بتاؤ گے، کیسے؟؟؟

☆☆

سرو

دائرہ باغ کے درمیاں میں کھڑے
سرو کے پیڑ سے، کوئی پوچھے ذرا
سوچتا ہے یہ کیا، ایسے خاموش سا
جیسے تنہا مسافر ٹھہر جاتا ہے
بھول کر راستہ۔

☆☆

لاکھ قبریں

قدم قدم پہ شکوک و شبہ بھری نظریں
جہاں کی سب سے حسیں خلق پر گڑھی سی ہیں
یہ سانس سانس پہ پہرے عجیب چہروں کے
غرور جن کی ہر اک بات سے ٹپکتا ہے
سیاہ ہاتھوں میں تھامے ہوئے ہیں بندوقیں
انہیں ستم کے سوا کچھ بھی سوجھتا ہی نہیں
مری زبان کیا، کوئی زباں نہ یہ سمجھیں
یہ وہ اصول ہے جس کا کوئی اصول نہیں
کہ ختم ہونے کو آتا نہیں ہے صدیوں سے
ہر اک نظر میں بہت سے سوال بستے ہیں
ہر اک قدم پہ ہے زنداں کا آہنی دروا
میری زمین کی ہر تہہ میں لاکھ قبریں ہیں

☆☆

یخ بستہ رات

اپنے بستر پر لے لے کر کروٹ ہم
سوچیں گے، جاگیں گے، گاہے سوئیں گے
دور نگر میں بسنے والے بچے کو
یاد کریں گے، مسکائیں گے، روئیں گے
ان سب چیزوں سے جب دل تھک جائے گا
اور نہیں جینے کو جب جی چاہے گا
ہوگی کوئی ایسی ہی یخ بستہ رات
نم مٹی کے لمس سے ملتی خستہ رات

☆☆

نئے شہر کی صبح

نئے شہر کی صبح کے آسماں پر
نئی شکل اور مختلف رنگ کے
اڑتے پھرتے پرندو
نئی بولیوں میں چہکتے ہو
پھر بھی سریلے ہو کتنے
مرے ساتھ آؤ اگر شہر میرے
تو کیا بات ہو
اک الگ ساتھ ہو

☆☆
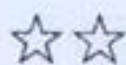
کمروں سے کواڑوں تک

نہ پوچھوں گی
مرے حصے کی شامیں
تم نے دفتر میں ہی کیوں چھوڑیں
ہمیشہ ٹوٹنے والا کوئی وعدہ نہ مانگوں گی
تمہارے سب بہانوں پر، میں بولوں گی نہ روٹھوں گی
کہ بچّوں کی بھی خاطر وقت کا کچھ ذکر ہی ہوگا
نہ چھٹی تک کبھی گھر میں بِتانے کو کہوں گی میں
کہ اب کتنا جیوں گی میں
نہ دنیا میں رہوں گی میں
تو گھر تم کو پکارے گا
پڑے گا جلد آجانا
یہ بچّے خود میں گم ہوں گے
تو تنہائی کی محفل تم بھی اکثر ہی سجاؤ گے
جو کمروں سے کواڑوں تک
چلو گے بے سبب یوں ہی
تو سوچو گے کہ میں اتنے برس کتنی اکیلی تھی۔

آشیاں

کھردری لکڑی کی عارضی میز پر اٹکا رندہ
یہ آری
برادے کی خوشبو، یہ بالو کی ڈھیری
ہمہ رنگ کنکر، یہ خوش رنگ پتھر
ہری 'ٹائیلیں' اور منقش دریچے
یہ لوہے کی جالی، وہ شہتیر، سریئے
نئے بوئے پودے، چمن چھوٹے چھوٹے
دبی گھاس پر نقشِ پا ہلکے ہلکے
یہ مصروف ہاتھ اور آنکھوں میں سپنے
اِدھر سج رہا ہے
اُدھر بن رہا ہے
یہاں اک محبت کا گھر بن رہا ہے

☆☆

خوشبودار یاد

یونہی سو جاؤں گی اک دن
منوں مٹی کے نیچے میں
نگاہیں در پہ ہوں گی اور آنسو بہہ رہے ہوں کے
سُبک بچپن کی خوشبودار یادوں سے معطر دل
یونہی سینے میں تڑپے گا
تمہیں مصروفیت سے اپنی فرصت مل نہ پائے گی
تمہاری یاد میں، اے جانِ مادر، جان جائے گی

(بدران کے لئے)

☆☆
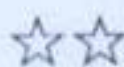
اونچے نیچے ٹیلے

ہوا نے کتنی محنت سے بنائے
اونچے نیچے، آڑھے ٹیلے ریگزاروں پر
میں پاؤں بھی اگر رکھ دوں
بگڑ جائیں گے پل بھر میں
ہوا بھی پھر بنائے تو نہیں بن پائیں گے ویسے
بکھر جائے اگر اک شے
سمٹ پاتی نہیں پہلے کی صورت
یہ تم کو سوچنے کی ہے ضرورت

☆☆

موسم کی حسیں رانی

بس یونہی برستی جا
موسم کی حسیں رانی
دیکھا کروں پہروں میں
راہوں کو، مکانوں کو، اور چند دِوانوں کو
بے فکر سے مسکاتے جو بھیگتے جاتے ہیں
ہاں خوف بھی ہے دل کو ان پانی کی دھاروں کا
اس وقت جو لگتی ہیں رحمت کے فرشتوں سی
آجائیں اگر ضد پر، بن جائیں سمندر بھی
ہر شے کو بہا دیں گی
طوفان اُٹھا دیں گی

☆☆

آئینہ ہنستا ہے

میں تنہائی سے گھبراتی ہوں جب
تو مسکراتی ہوں
میری اس مسکراہٹ پر
میرا آئینہ ہنستا ہے
یہ آواز کے بھی کستا ہے

☆☆

دل سمجھتا نہیں

مجھ کو بھی ہے خبر، زندگی ہے کٹھن
ہر نئی رہ گزر
پتھروں کی ڈگر
خار ہر موڑ پر
چھوٹ جاتا ہے گھر
خواب کی کھوج میں
سب نکل جاتے ہیں
میں سمجھتی تو ہوں
دل سمجھتا نہیں
مامتا سے بھرا
گھر میں خوشبو تری
ڈھونڈتا پھر رہا
تیری آواز سننے کو بے چین سا
تیرے مکھڑے کی خاطر ترستا ہوا

(بدران کے لئے)

☆☆

قطاریں

میں اس مسکراہٹ پہ دوں جان اپنی
ذرا سا جو ہونٹوں کے خم ہونے سے
ناک کی نوک پر کچھ مچلتی سی ہے
پتلیوں میں چمکتی ہے قندیل سی
اور پھر اک حسیں قوس بن کے
اترتی ہے ملنے کو رخسار کے بائیں خم سے
ٹھہر جاتی ہے بس وہیں
ایک ننھے سے گڈے میں
جب پھر اچانک ہی
چھپے دانتوں کی
مُنی سی دو قطاریں چمک اُٹھی ہیں۔

☆☆

چیڑھ کی خوشبو

جھومتے لہراتے میری نوٹ بک پر آ کے گرتے
چیڑھ کے ادھ سوکھے پتو!
جانتے ہو کیا
کہ تم میں بسنے والی خوشبوئیں دنیا میں ہیں یکتا۔

☆☆
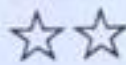
عارضی زندگی

چناروں کے سائے میں
میں پڑھ رہی ہوں
پرانا سا اِک نسخہ تاریخ کا
میرے اطراف ہیں کچھ کتابیں،
لغت، چائے کی کشتی، اور دور بیں
جس سے رہ رہ کے میں دیکھتی ہوں پرندے
بڑی خوب ہے عارضی گھر کی یہ دوپہر اور یہ عارضی زندگی۔

☆☆

نانی

بزرگوں سی تھی اپنی سوچ ازل سے
بڑھاپے میں کٹی ساری جوانی
مجھے اماں کہا کرتی تھی 'دادی'
مجھے سکھیاں بلایا کرتیں نانی

☆☆

وہ اور دن تھے

میں نصف شب کو دریچے کے اُس طرف تکتی
اداس رات کو پل پل سسکتے سنتی ہوں
تیری غرور میں ڈوبی نظر، تنی گردن
شکار مجھ کو کرے کیوں عدم تحفظ کا
کہ پیچھے چھوٹ گئے ہیں اُمید و آس کے دن
نکل گئی ہے اب عمر رواں بہت آگے
وہ اور دن تھے کہ دل کے سکوں کو خدشہ تھا،
نہ چاہے جانے کا غم جان لے بھی سکتا ہے

آبائی گھر

ماتمی شام اتر آئی ہے پھر بام تلک
گھر کی تنہائی کو بہلائے کوئی کیسے بھلا
اپنے خوابوں کے تعاقب میں گئے اس کے مکیں
منتظر ایک نظر ہے کہ ہیں بجھتے سے دیے
راہ تکنے کے لئے یہ بھی رہے گی کب تک
پھر یہ دیواریں بھی ڈھے جائیں گی

☆☆

چاہت کی حدیں

حسن کی شمع سی روشن نہیں چہرے پہ مرے
تم بھی کرتے نہیں گردش کسی پروانے سے
اب مگر اور ہی اک بات ہے اس رشتے میں
کوئی جذبہ نہیں رہ سکتا مقابل جس کے
مری چاہت کی حدیں ہیں کسی سرحد کی طرح
کوئی در آنے کی کوشش تو ذرا کر دیکھے

منطق

مجھے خُدا نے کچھ اس طرح سے بنایا ہے
کہ صبح جاگتے گزرے غموں کو یاد کروں
کسی پرندے کا بھیگا شکستہ اک شہپر
بکھر گیا ہو کوئی باغ آندھیوں کے سبب
ہرا بھرا سا شجر ہو زمین بوس کہیں
اجاڑ دی ہو کہیں نفرتوں نے بستی یا،
خوراک ضایع کیا کرتی ہو کہیں پہ خلق
کہیں پہ کھاتے ہوں مٹی کو گوندھ کر بچے
دبے ہوؤں کو دبا کر سفر سوئے مریخ
مری سمجھ میں یہ منطق کبھی نہیں آئی!!
ہوائیں صبح کی کھیلیں لباس سے میرے
گھٹائیں حسن بکھیریں مری فضاؤں میں
طیور آ کے سنائیں حسین گیت مجھے
کہ نقرئی سی ہنسی بھی ہنسیں کہیں بچے
ہر ایک شے میں بڑی سسکیاں ہیں پوشیدہ
مری اداس طبیعت بہل نہیں پاتی
مجھے خدا نے کچھ اس طرح ہی بنایا ہے

☆

تجھ سے زیادہ کسی کو چاہوں

اب کوئی بھی اس اک پل کے بعد
تجھے دُکھ دے نہ سکے گا
اپنے دل کی گرد اُڑا کر
تجھ کو آلودہ نہ کرے گا
اوروں کی بے دردی سہہ کر
تیری رگ رگ نہیں کھچے گی
تیری دھڑکن تیز نہ ہوگی
کیوں کہ مجھے بھی حق یہ نہیں ہے
تجھ سے زیادہ کسی کو چاہوں
تو ٹوٹے میں اشک بہاؤں
سب کو ذہن سے خارج کر کے
آج سے ہم دو سکھی رہیں گے
اب اس قابل کوئی نہیں ہے
جو ان خوشیوں میں شامل ہو
پہلے بھی تو کوئی نہیں تھا
میں تھی ناداں
تم تھے ناداں
اے میرے دل!

☆☆

دلدل کے درخت

میں نے سینچا تھا پسینے سے یہ چھوٹا سا چمن
قطرہ قطرہ اسے پینے کو دیا اپنا لہو
اس میں اُگ آئے بہت خار بہت ہی خوں خوار
جو جکڑ تے ہیں کوئی بھی ذی روح
اور ڈھانچے کو گرا دیتے ہیں۔
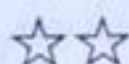
یہ مرے اپنے ہیں

یہ مرے روح و بدن کو جو بدل دیتے ہیں اک ایندھن میں
گیلی لکڑی سا جلانے کے لئے
زندگی زہر بنانے کے لئے
میری شریانوں میں جس کی تلخی
چین مجھ کو نہیں لینے دیتی
ہاں مگر ان کی خوشی میں مجھ کو
خوش نظر آنا ہے
یہ مرے اپنے ہیں۔

☆☆

خوش رنگ اشجار

کیکر کے سبک پتے
پیپل کی مہک تیکھی
چھاتے سے کشادہ ہیں
سب برگ یہ شیشم کے
گولر کی یہ خوش شکلی
ٹیسو کے یہ اوندھے گل
شہتوت پہ بکھری ہیں زلفوں کی طرح بیلیں
ہے رنگ جدا کتنا ہر پیڑ کے سبزے کا
پھر بھی ہیں ہرے سارے
مسکان بھرے سارے۔

☆☆

خدا کے واسطے سوچو

تیرے اس نرم دل کو توڑتا ہے سخت سا لہجہ
جگر پارے کی دوری سے جگر دولخت ہے تیرا
تجھے بابل کا آنگن یاد آ آ کر رلاتا ہے
کوئی تکلیف میں ہو، روح تیری درد کرتی ہے
پرندوں، ننھے بچوں میں تو ڈھونڈا کرتی ہے خوشیاں
میسّر ہے مگر تجھ کو مسرّت کتنے لمحوں کی
تیری زلفیں پریشاں ہیں
تیری آنکھوں میں حلقے ہیں
بہانے ڈھونڈتا ہے دل ترا آنسو بہانے کے
خدا نے کتنی محنت سے بنایا تھا کبھی تجھ کو
تجھے خود سے محبت آج تک کرنا نہیں آئی
خدا کے واسطے کچھ سوچ!

☆☆

الاماں

کیسے ہم اس حسیں شب سے پھیریں نظر
مخملیں نرم تاریکیاں الاماں
آنکھ موندیں کہ سونے کی کوشش کریں
اتنی ساری ہوں گستاخیاں ہم سے؟ نا!
وادیوں کی یہ خاموشیاں یہ سکوں
زندگی، بے ثباتیء دنیا، مگر
جو میسر ہو لمحہ غنیمت ہی ہے۔

رات کا سحر

فلک پر چھائی ہے سرمے کی چادر
کہ جیسے آنسوؤں میں گھلتا کاجل
خمیدہ پیڑوں پہ خوابیدہ سی بیلیں،
پھول سرخم
مخملی شاخوں نے پہنا ریشمی پتوں کا زیور
چاند چینی کی نئی ٹوٹی رکابی سا
لئے آتا ہے جادو
ابھی ہو کر گئی ہے بادِ مشکیں
جسے محسوس کرنے کے لئے
ہر شے ہے ساکت
زمیں پر یہ کا منظر آسمانی
سحر آگیں سا ہوتا ہے کسی شب
میں آنکھیں موندنے کی کوئی گستاخی کروں کیوں
نظر یہ حسن پھر پینے کے قابل ہو نہیں ہو
یہ خاکی جسم کل جینے کے قابل ہو نہیں ہو

☆☆

مضراب

دروازے پر لگے 'پوسٹر'،
وہیں لگے ہیں
بڑے دہانے، گول سی ناک میں ہنستا جوکر
'ہار نہ مانو' لکھا ہے پیلے کاغذ پر
دیواروں پر چسپاں ہیں
تصویریں، پہلے کی ہی صورت
'بون جووی' اور 'ایلوس پریسلی' ساز بجاتے
'ڈیوڈ بیکہم' دوڑ رہا ہے بال کے پیچھے
اور اک گوشے میں تیرا
فٹ بال پڑا ہے کچھ پچکا سا
میز ہے خالی، بستر سونا
الماری میں سارے ہینگر بے مصرف ہیں
ترے سکول کے کوٹ کا بس ایک 'بیج' پڑا پایا ہے میں نے
تیری ذات سے وابستہ سا،
تیرا گٹار بھی کہیں نہیں ہے
لیکن اک کونے سے، دھول بھرا مضراب ملا ہے مجھ کو

سارے اشکوں سے دھو کر میں
اسکوُوالیٹ' میں رکھوں گی
اور جب جب اس کو دیکھوں گی
رو کر جاں ہلکان کروں گی
کب پھر آ کر دھن چھیڑو گے
کوئی سبب جینے کا دو گے

(بدران کے لئے)

ڈِپریشن

ازل سے دل کے اندر کون سا یہ درد بستا ہے
کہ مسکاؤں تو لگتا ہے جگر ٹکڑے لگا ہونے
کسی غم کا سمندر سا ہے جیسے ذہن میں پھیلا
میں اس میں ڈوب جاؤں گی
اگر میں مسکراؤں گی
بدن میں روح چیخے گی
یہ کیسا غم ہے اس دل میں
میں جس کو جیتی رہتی ہوں
جسے جیتی رہوں گی میں
زہر پیتی رہوں گی میں

☆☆

زمیں والوں کا کیا ہوگا

جس طرح صدیوں سے ایستادہ
زمیں پر سب سے اونچے
ملکِ تبت کے
بلند و پر شکوہِ برفانی ٹیلے
رفتہ رفتہ جھیل بنتے جا رہے ہیں
اور
صفر سے بھی بہت کم، یخ ہوا میں رہتے ہیں
جو روئی کے گالے سے بھولے بھالے بھالو
ختم ہوں گے
کتنی مخلوقات ہو جائیں گی غائب
پانی ہوتا جائے گا کم
اس زمیں کی بڑھتی بے قابو حرارت میں
جنم پھر لیں گے کیسے جاندار
اور،
باقی سب ذی روح جائیں گے کدھر کو،
گر زمیں مر جائے گی تو
اِن زمیں والوں کا کیا ہوگا۔؟

☆☆

کچھ سچ نہیں ہے

گلوں کے مہکنے میں سازش رچی ہے
چہکنے میں بلبل کے گمراہیاں ہیں
ہیں شفق کی لالی میں پوشیدہ شعلے
ہرے کوہساروں میں آتش فشاں ہے
ہے زہریلا سب نیلی جھیلوں کا پانی
فلک کے ستارے بھی جھوٹے ہیں سارے
تری مسکراہٹ کا آنکھیں تری،
جب نہیں ساتھ دیتیں،
تو کچھ سچ نہیں ہے!

☆☆

کیوں

کبھی کالج کا البم دیکھ کر
نم ہونے لگ جاتی ہیں کیا پلکیں تمہاری
یا کبھی بچوں سے ہنستے بولتے
یکلخت رک جاتے ہو تم بھی
کبھی شاخوں سے پتے ٹوٹنے کی رُت میں
بکھرے بکھرے رہتے ہو؟
یوں ہی بس بے خیالی میں
کسی بھولی ہوئی میری ادا سے
تم ملاتے ہو ادائیں دوسروں کی؟
مرے قد میری صورت سے
کوئی ملتا سا چہرہ دیکھ کر
تم مسکرا کر جھینپ جاتے ہو؟
جو تم ایسا نہیں کرتے
تو بولو کیوں نہیں کرتے!

☆☆

ساعت

کسی ساعت میں پھوٹی تھی جہاں کی کوکھ سے دنیا
ستارے آسماں پر چھا گئے تھے
مسکرا اُٹھا تھا سورج
بچھ گئی تھیں ندیاں
سر کو سہاروں نے اُٹھائے تھے
زمیں سے کونپلیں پھوٹیں
ہری شاخوں پہ نغمے چھیڑنے آئے پرندے
وحی نازل ہوئی پیغمبروں پر
جبینیں جھک گئی تھیں
ہاتھ اُٹھے تھے دعاؤں میں
کسی ساعت!
کسی ساعت میں دیوانہ ہوا فریاد
مجنوں سے ملی لیلیٰ کی نظریں
تم نے جھانکا میرے گھونگھٹ میں!
کہ ساعت ہی ہے سب کچھ
کچھ نہ تھا ماضی
نہ مستقبل ہی کچھ ہوگا۔

☆☆

بے ثباتی

درختوں میں ہوا جھوما کرے گی
پرندے گائیں گے باغوں کے رخ پر
یونہی رقصاں رواں پانی بہے گا
گھلے گی شام کو پربت میں سرخی
گرے گی ایسے ہی سبزے پہ شبنم
یونہی کھیلیں گے میدانوں میں لڑکے
ملیں گی چھپ کے ہیریں رانجھنوں سے
سنیں گے لوریاں ماؤں سے بچے
مری ہستی کی مٹھی بھر یہ مٹی
کہیں ذروں میں ذرہ ہو رہے گی

☆☆

وجودیت

کہیں دشت و بیاباں میں
کسی دیوٗدار سے لپٹی
کوئی بے رنگ سوکھی بیل
یا کوئی کھنڈر و ویرانے میں
پاتال سے نکلی کوئی اجڑی ہوئی تہذیب
کوئی بے نشاں بستی
کوئی ٹوٹا ہوا کتبہ
وگرنہ پھر کسی تربت کا اک بے نام پتھر ہی
میں ایسی کوئی بھی شے ہونا چاہوں
اس جہاں کی گمشدہ چیزوں کے اندر کھونا چاہوں

☆☆

نیک بیبی

یہ صلہ ہوگا تری پارسائی کا کہ وہاں
وہ شریکِ حیات جس کے ساتھ
اس زمیں پر کیا ہے تو نے نباہ
تیری نس نس کا جو رہا مختار
چاہ تیری پہ ہے لازم ہو اُسی کی پابند
جس پہ بندش نہیں کوئی لاگو
ان گنت حوریں ہیں جس کی خاطر
آسمانوں پہ بھی محفوظ
تجھے
تحفتاً ہوگا عطا!
نیک بیبی،
تجھ کو اب چاہیے کیا!

☆☆

سوچتی ہوں اکثر

سوچتی رہتی ہوں اکثر یہ ہی بات
کیا مری کتب کا ہوگا
مرے مرجانے کے بعد
کون اس گھر کی نگہبانی کرے گا
پیار بھی دے گا مری چیزوں کو؟

مرے چہلم کے بعد ہی مری اکلوتی نند
بھائی سے کرنے لگے گی اسرار
اور ادھیڑ عمری میں
واسطے دے گی جوانی کا اسے
کہ بسالے پھر گھر
اور چہرے پہ کئے طاری سعادت مندی
سرِ تسلیم وہ خم کردے گا

پھر مگر کیا ہوگا
میرے بچے جو ہیں اس وقت دلارے سب کے
ان کے حصے میں بھی آئے گی دُبارہ شفقت؟
آج کل سوچتی رہتی ہوں
یہ باتیں اکثر

تو دور کہاں کو نکل گیا

پلکیں جھپکے
بے صبری سی
اشکوں سے بھری دو آنکھوں میں
امید لیے منوانے کی
دونوں باہیں اوپر کر کے
کندھے پر لٹکے پرس پہ پھر
کچھ پل ٹھہرا کر نظروں کو
مخصوص طریقے سے اپنے
روٹھی آواز میں پوچھ کہ میں جاؤں گی کہاں، کب آؤں گی؟
کیا ساتھ تجھے لے جاؤں گی؟
اب عرصے سے تو نے مجھ سے
اک بار بھی کچھ پوچھا ہی نہیں
اور یہ دل ترے بچپن میں
بیٹھا ہے کتنے برسوں سے
تو دور کہاں کو نکل گیا؟
پھر لوٹ کے بھی کیا آئے گا؟

(میران کے لیے)

کوشش

تنہائی میں
ہر بیتی رت نئی بہاروں سی
سوچوں پر چھا جاتی ہے
ہر محرومی یاد آتی ہے
جوگن بننا
اف اتنا مشکل ہے یارب؟

☆☆

پنجرہ

اس کی بھی آنکھیں معصوم نظر آتی ہیں
وہ خاموش کبھی رہتی ہے یا گاتی ہے
یہ بھی چپ سی ہوتی ہے یا مسکاتی ہے
وہ خوش ہو تو پنکھ پسارے، پنجرے میں گھوما کرتی ہے
کھلا ہوا ہو دروازہ وہ پھر بھی اندر ہی رہتی ہے
یہ خوش ہو تو باہیں کھولے مجھ کو پاس بلا لیتی ہے
گھر سے باہر قدم کہاں رکھتی ہے اب وہ
ماں بیمار ہوئی ہے جب سے
مجھ کو چڑیا سی لگتی ہے

☆☆

ہوا کے دوش پر

ہم نے ہوا کے دوش پہ تم کو
دو اک چیزیں بھیجی تھیں
کچھ خوشیاں کچھ مسکانیں
اک شکوہ اور دو چار گلے
کیا یہ سب تم تک پہنچ گئے؟

تنہائی کا اک دن

تنہائی کے کچھ لمحوں کو
کوشاں کوشاں
الجھی الجھی
کھوئی کھوئی
اوبی اوبی
تنہائی کا اک دن پا کر
تنہا سی کیوں ہو جاتی ہوں

اُس سے میں آج تک ملی ہی نہیں

مشک بو گیسوؤں کو لہرا دوں
دھار سرمے کی اور تیز کروں
ڈال دوں موتیوں کا ہار گلے
اوڑھ لوں کامدانی دوپٹہ
پہن لوں ساتھ کالے کرتے کے
کچھ سنہرے، سیاہ سے چپّل
کانچ کی چوڑیاں بھی دو، اک ہوں
جو کہ چھنکیں تو جل ترنگ بجے
جس کے ہر سُر میں نام اُس کا ہو
جس سے میں آج تک ملی ہی نہیں

☆☆

اگربتی

چھتوں پر سوکھتے کپڑے
کھنک دُھلتے پتیلوں کی
کہیں کچھ پھول گملے میں
جھگڑتے روٹھتے بچے
ہنسی کوئی، ذرا اونچی
یا پازیبوں کی موسیقی
ابلتے دودھ کی خوشبو
مہک بھنتے مسالوں کی
سُلگ اٹھتی اگربتی
کوئی ہنستی ہوئی لڑکی،
گھروں سے سب جڑیں باتیں
کہ جیسے شبنمیں صبحیں
نہیں تو چاندنی راتیں

☆☆

گری تھی برق جہاں

گری تھی برق جہاں میرے خواب تنکوں پر
اسی مقام پہ لائی ہے گردشِ دوراں
وہ کوندتی ہیں جہاں بجلیاں اندھیروں میں
خزاں زدہ وہ شجر، ہے جہاں خموش کھڑا
بضد اسی پہ، ستم گر مرا ہے، اب کے بھی
مجھے وہیں پہ بسانا ہے آشیاں اپنا

☆☆
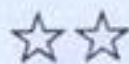
بت پتھر کا

بارش دیکھ کے مسکاتی میں
پلٹ کے اس کو دیکھا کی،
سنجیدہ ماتھے پر تانے، اک دو خط
کچھ حیراں سا
وہ میرے چہرے کو ایسے تکا کیا
جیسے ہو بت پتھر کا

فضا پہ طاری ہے الم

فضا پہ طاری ہے اک الم سا
ہے قلب جیسے کہ زخم خوردہ غزال کوئی
یہ چشمِ نم، یہ نڈھال سانسیں
تھکا بدن کچھ شکستہ پا سا
یہ بے بسی جیسی بے کسی ہے
تناؤ سے ہارا ذہن، خواہش سی موت کی ہے
کیا سب کی ایسی ہی زندگی ہے

☆☆

جینے کی خواہش

گراں آلات سے ترشے ہوئے
جسموں پہ پہنے
نیم عریاں مغربی پوشاک،
بھاری زیوروں کے بوجھ میں
گھائل لبوں پر
لائے کچھ نوعمری مسکاں،
ان بسیار منزل کی دکانوں پر بھٹکتی عورتیں
آئیں ہیں لینے غالباً
اپنے گزشتہ سال
جن کو جینے کی خواہش
انہیں جینے نہیں دیتی

☆☆

کس منہ سے

اردو اب بکتی ہی نہیں ہے
میرا ناشر بھی کہتا ہے
اس نے اپنا دھندا بدلا
باورچی نے چھٹی لے لی
سر کو تھامے دو ہاتھوں میں
سوچوں میں غلطاں پیچاں ہوں
اس پر تیری یاد اچانک
آ کر آنکھیں نم کرتی ہے
یادوں میں تیرا یہ چہرہ
اب کس منہ سے مسکاتا ہے

☆☆

سب کہتے تھے

سب کہتے تھے
اب تم مجھ سے
کچھ دور رہو تو اچھا ہے
دنیا کو سمجھنے کی خاطر
ماں کی باہوں کے حلقے سے جانا ہوگا!
چھوٹی چھوٹی چیزیں تیری
سامان میں تیرے رکھتی،
اُس دن بھول گئی
ان چیزوں میں دل بھی اپنا رکھ بیٹھی تھی
اُس پل سے دھڑکن غائب ہے
سینے میں شور ہے محشر کا

میں بچوں سی کتنا روئی

جو ابو مٹی میں سوئے
جو بچپن جانے کب چھوٹا
جو بہنیں برسوں سے بچھڑیں
جو انگور کی بیلیں سوکھیں
جو گھر برسوں پہلے اجڑا
اک تصویر میں دیکھ کے یکجا
میں بچوں سی کتنا روئی

☆☆
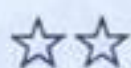
دیر آید

چلی آئی ہے کیوں تو درمیاں ہم دو کے ایسے
یوں بھی کتنے دور تھے اپنے جہانوں میں فنا
اپنی انا کے ساتھ تنہا
زہر اگل کر پُر سکوں،
اور اب ترا آنا
پتہ دیتا ہے سناٹوں کا
جو آ کر نہیں جاتے
چلی جا بیچ سے اے خامشی
اب ہم زہر مہرے سے اپنے آپ کو چھو لیں
تو پھر کچھ دوسرے کے بارے میں بھی صبر سے سوچیں

☆☆

ذہن ایذا پسند

ذہنِ ایذا پسند سے کہہ دو
آنکھ میں لائے پھر مری، آنسو
ایسے پتھر کی طرح چپ نہ رہو
معاف کر دونگی کوئی بات کرو

☆☆

تمہیں جلدی ہے کا ہے کی

تمہیں جلدی ہے کا ہے کی جو دوڑے جاتے ہو
اس پیڑ سے اُن کیاریوں تک
رُک بھی جاتے ہو تو پل بھر
اور ذرا سا بیٹھ کر پھر بھاگ اُٹھتے
ننھے پیروں پنڈلیوں کو یوں دُکھاتے
ریشمی مکھڑے پہ شبنم سی سجائے
کس لئے خود کو تھکاتے ہو
ادھر آؤ ذرا گُل گوتھنے بچے
تمہاری ان اداؤں کو میں جی بھر کے دیکھوں بھی تو لُوں

وصیت

دیودار کی چوٹی پر میں جان کروں قرباں
الھڑ سے یہ سب پودے، دل مانگیں تو دے ڈالوں
ان پھولوں کے قدموں میں دو آنکھیں بچھا دوں میں
ان ٹیلوں پر مٹ جاؤں
اس وادی پر مر جاؤں
لکھ جاؤں وصیت میں
دفنائیں یہیں مجھ کو

☆☆

کسی کا ہوتا نہیں ہے کوئی

آج بھلا کیوں دل روتا ہے
تنہا تو میں ازل سے ہی تھی
مرے جنم پر ماں روئی تھی
وہ اپنی دنیا میں گم تھا
میں اس کے بچوں میں کھوئی
اب بچے مصروف ہیں خود میں
میری آنکھیں روئی روئی
کسی کا ہوتا نہیں ہے کوئی

☆☆

سحر آگیں سناٹے

خموشی کا یہ جادو آج پہلے سے سوا ہے
سانس رو کے ایک رخ بیٹھی رہوں
نظریں اندھیرے پر جمائے
رات کے دربار میں حاضر
پلک تک بھی نہ جھپکوں
یونہی پتھر جیسی رہ لوں میں
سحر آگیں سے یہ سناٹے مرے ہونے کا حصہ ہیں
کہ اب ایسے فسوں میں موت بھی شامل اگر ہو جائے،
مجھ کو غم نہیں ہے!

خلوتیں

بات ہوگئی ان سے
شام مسکراتی ہے
دل کی خلوتوں میں بس
یاد آتی جاتی ہے

میرے آسماں پر

میرے آسمان پر بہت دیر پہلے کا ڈوبا ہے سورج
کہیں چاند ٹوٹا سا بھی تک دکھائی نہیں دے رہا ہے
ستارہ کوئی ٹمٹماتا نہیں ہے
عجب ملگجی روشنی ہے کہ پھیکا اندھیرا ہے،
کچھ جان پڑتا نہیں ہے
قیامت کے دن بھی کچھ ایسا ہی ہوگا

☆☆

شام اور پرندے

ابھی آتی ہوں رک جاؤ تو دم بھر
اترتی شام کا یہ رنگ برساتا ہوا منظر
کہاں ملتا ہے دن بھر دیکھنے کو
صبح یہ ترتیب ہوتی ہے مخالف
اور ابھی شاخوں میں کم کم اڑ رہے ہیں یہ پرندے
میں جبھی گن پا رہی ہوں
ایک کوا نیم کی ٹہنی پہ بیٹھا بولتا ہے
دو کبوتر پر سکوں سے سوچتے ہیں
طوطے سارے جھنڈ میں آتے ہیں، جیسے چیختے سے
آسماں سر پہ اٹھاتے ہیں
ہرے لیکن نہیں کچھ سرمئی سے لگ رہے ہیں
وہ چوڑے پنکھ لمبی گردنوں والے پرندے، سارے آبی ہیں
سپیدی ان کے پنکھوں کی فلک پر بھی ہے ظاہر
بس یہ سارے چل دیں اپنے آشیانوں کو
ذرا پتوں کے اندر رک تو جائے یہ اندھیرا
وہ کنارہ آسماں کا بھی نہ روشن ہو

یہ منظر کچھ ٹھہر جائے تو لوٹوں میں،
یہ سب میرے لئے کتنا ضروری ہے
میں تم کو اتنے برسوں یہ نہیں سمجھا سکی، اس میں
خطا میری ہے، تیری تو نہیں ہے

☆☆

موت کی باتیں

آؤ بیٹھیں موت کی باتیں کریں
قبر میں کیا حال ہوگا
اور قیامت ہوگی کس درجہ شدید؟
زندگی کیا بس وہیں تھم جائے گی؟
سانس لینا چھوڑ دے گا جب یہ جسم؟
کیا یہ یادیں یہ محبت والے ساتھ
پھول، چڑیاں، بادلوں کی ٹکڑیاں
چاندنی میں یاد بچھڑے یار کی
ساحرانہ شام کی نیلاہٹیں
قرمزی سورج کے چڑھنے کا طلسم،
یا کہ پھر ہے موت ہی سچ زیست کا
آؤ پھر سوچیں انہیں باتوں پہ ہم
ہار کر پھر روز و شب کے کام میں مصروف ہوں

☆☆

ماضی کا ایک ورق

یادوں سے بوجھل گھائل سا دل میرا
دھول بھرے کمرے میں ڈھونڈھے پھرتا ہے
ایک ورق ماضی کا جو برسوں پہلے
میں اپنے ہی ہاتھوں گم کر بیٹھی تھی
اور ایسے میں ملا کئے کتنے اوراق
روٹھے روٹھے ماضی کے ان خستہ پنّوں میں

اوروں کی خاطر

کہتے ہیں کمزور ہے وہ جو اوروں کی خاطر روئے
میں دل سخت کیے پڑھتی تھی ایک خبر
بے ہوش ہوا تھا کوئی کھلاڑی
جس نے تنہا گول کیے تھے
ہوش میں لانے کی خاطر
لوگوں نے اس کا دل سہلایا
منہ سے منہ میں سانسیں پھونکی
لیکن اس کو ہوش نہ آیا
اور میں پڑھ کر رو دی، یہ اقرار ہے مجھ کو
میں کمزور بہت ہوں لیکن اتنی ہی ہے طاقت میری۔۔

☆☆

سنگل وُومن

اپنے تنہا پن پر نازاں
اپنے عہدے سے خوش خوش بھی
بیاہتاؤں پر ہنسنے والی
گھر کے کام کو جھنجھٹ کہتی
مسکاتی رہتی تھی برسوں

اک دن موٹا چشمہ پہنے
وہ باغیچے میں بیٹھی، رو پڑی اچانک
اُس نے اک چڑیا کی چونچ میں
دیکھا تھا منا سا تنکا

☆☆

خوش الحان کستوری

کبھی باغوں میں پھولوں میں
کبھی اونچے چناروں میں
صنوبر کی قطاروں میں
میں ہفتوں سے پریشاں سی
تجھ ہی کو ڈھونڈتی پھرتی
یہی بس سوچتی رہتی
پہاڑوں پر میرا آنا
گیا ہے رائیگاں اب کے
کہ موسم کے مزاجوں کا بدلنا ہے سبب اس کا
جو تو مجھ کو نہیں آتی نظر ایسی حسیں رُت میں،
تھی دیوانی میں، جس رُت کی
تری میٹھی چہک کو یاد کرتی
بے بسی سے سوچتی تھی کل ہی لوٹوں گی
کہ کانوں میں پڑا نغمہ ترا شیریں
جو چھیڑا تو نے آ کر سرَو کے اس پیڑ کے اوپر
میں جس کے نیچے بیٹھی تھی

بہت ہی شکریہ تیرا
حسیں موسم کی دلدادہ،
یہ تیرے سرمئی پر، سحر آگیں یہ ترا نغمہ
اے خوش الحان کستوری!
عزیز از جان کستوری!

☆☆
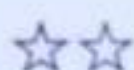
خاموشی کی دولت

ایسے پل عنقا ہوتے ہیں
جب ہر ذرہ بے حرکت ہو
کوئی پتہ ہل نہ رہا ہو
پھول ہوں سرخم سوچ میں ڈوبے
شاخوں پہ طائر سر جوڑے،
چین سے پلکیں جھپک رہے ہوں
رستوں سے آواز نہ آئے
ہر شے سکھ میں ساکت سی ہو
خاموشی کی یہ دولت دل تک پہنچاؤں
کچھ دن زندہ سی ہو جاؤں

☆☆

حسنِ اخلاق

بات برسوں کی ہو
ساتھ ہفتوں کا ہو
کام مشترکہ سا
یا مروت سی، ہمسایگی سی کہیں
پاس رشتے کا کچھ
خوں کی کوئی کشش

حسن کا رعب، عمارت کا یا دبدبہ
منحصر ان پہ چاہت کبھی بھی نہ تھی
اچھے اخلاق کی بات ہے دوسری

☆☆

زندگی کتنی بڑی نعمت ہے

میرے پنڈے پہ پلی جونک چلی جاتی ہے
اپنی دنیا میں مگن ہونے کو بن بتلائے
اور ہوتی ہے طلب خون کی جب جب اس کو
لوٹ آتی ہے دوبارہ یہ، لہو پینے کو
قطرہ قطرہ جسے کرتی ہوں جمع اس کے لئے
اسی مصرف کے لئے زندہ ہوں
زندگی کتنی بڑی نعمت ہے

☆☆

سکھ کا پل

سینتالیس ڈگری کے بعد ہوئی ہے بارش
نکھرے ہیں پتے اور بوٹے
پھولوں سے باتیں کرتی ہیں
ہلکی بھیگی مست ہوائیں
چڑیاں دانستہ شاخوں میں بھیگ رہی ہیں
دھوبن کا بچہ بارش میں گھوم رہا ہے
ہم بھی ایسے موسم کے دیوانوں میں ہیں
لیکن آدھی شب تک کل، رو کر سوئے ہیں
اے سکھ کے لمحے، لب پہ مسکان سا چھا جا
دُکھ دینے والوں کی صورت چھوڑ کے مت جا

☆☆

کسی کے دور جانے سے

کسی کے دور جانے سے کسی کے روٹھ جانے سے
کسی کے گھر بدلنے سے
الگ اک کام کرنے سے
کبھی پردیس جانے سے
کسی کے لوٹ آنے سے
کوئی تاریخ بنتی ہے
یوں ہی دنیا بدلتی ہے۔
نئی راہوں پہ چلتی ہے

دل میرا دکھنے لگتا ہے

یوں ہی جنگل جنگل گھوموں
سارے ہی پتوں کو چھو لوں
پیار سے اک اک شاخ کو تھپکوں
آنکھوں سے ہریالی پی لوں
کوئی اک پتہ بھی توڑے
دل میرا دکھنے لگتا ہے

☆☆

رات اور چاند

شب کی خاموشی میں جب جب
سارا جگ نیند میں غافل ہو
اطراف میں ہر شے چپکے سے
اسرار میں اپنے گم ہو لے
اور پورا چاند چمکتا ہو
تارے چپ چپ پلکیں جھپکیں
خاموشی نس نس میں اترے
دن کے غل سے جاں بخشی ہو
خود اپنے آپ سے ملنے کو
میں چھت پہ ٹہلا کرتی ہوں
اور شکر خدا کا کرتی ہوں

☆☆

تم سب جانتے ہو

تمھی کو ہے خبر
چلتی ہیں جب جب بھی ہوائیں زور سے
میں ڈرنے لگتی ہوں
فقط تم جانتے ہو
رینگتے کیڑے مری نس نس میں بن کر خوف
پہروں بیٹھ جاتے ہیں
تمھی کو ہے پتہ گر میز پر بیٹھوں زیادہ تو، دکھن اٹھتی ہے گردن میں
تمہارے ہاتھ کے مرحم سے جاتی ہے
تمہیں ہے علم شام وصبح میں برآمدے سے
گر نہیں دیکھوں پرندوں کو درختوں پر چہکتے، ہوش گم کر دوں
تمہیں معلوم ہے یہ بھی کہ پھاٹک پر نہیں لگتی کبھی زنجیر تک مجھ سے
نہ لمبی کھڑکیوں کی چوکھٹوں تک ہاتھ جاتا ہے
اور اتنے دن سے تم اس شہر میں ہو، لوٹ آؤ۔

☆☆

پانا کسی شے کا

یہ سارے لوگ کہتے ہیں
بہت نایاب شے ہے زندگی
ہر پل بہت بے مول
ہر لمحہ غنیمت ہے
نہیں یہ چیز کھونے کی
مگر ہر گمشدہ شے بھی
مکمل خود میں ہے اتنی
اسے احساس ہی ہوتا نہیں ہے
اپنے کھونے کا
یہی تکمیل ہے اُس کی
تو پھر پانا کسی شے کا
زیادہ کیا ہے کھونے سے!

☆☆

فانی

اسی جگہ پر
پہلے ایک ندی کا تٹ تھا
اک لمبی سی پگڈنڈی
بستی سے جنگل کو جاتی تھی
پھر یہ جنگل الٹ گیا
بستی بھی اُجڑی
اُس سے پہلے
اسی جگہ پر، روز و شب لاوا بہتا تھا
شعلے لہراتے رہتے تھے
اُس سے پہلے جانے کیا تھا
اب اک سڑک ہے
اک مکتب ہے
کچھ بازار ہیں
دفتر بھی ہیں
آنے والے وقتوں میں جانے کیا ہو، اور
آنے والے وقتوں کے جانے کے بعد؟
خدا معلوم!!!

☆☆

یا سمیع الدعا

(۱)

خالقِ دو جہاں
میں ہوں واحد وہ تخلیق تیری
جہاں کے بہشت بریں پر
جو مخلوق اشرف کے پھلنے کا موجب بنی

یا علیم السمیع
جس کی پسلی سے کی تھی مری ساخت
اُس کی رِفاقت کی خاطر
وہ تنہا نہ ہو
زیست کی راہ نو پر کہ میں نے بھی تو
دیکھ بن کر زمیں
بخش ڈالا اسے آسمانوں کا رتبہ
مطیع اپنی قوتِ برداشت پر
یا عظیم القوی

اس کے ہی زورِ بازو کو ترجیح دی
سارے جذبوں میں کر کے اسے حصہ دار
اُس کی چاہت کو اپنے پہ حاوی کیا

یا حفیظ الغنی
اس کو اپنا محافظ سمجھنے لگی
رنگ اُس کے رنگی
زندگی اُس کی جی
قادر المقتدر، مالکِ بحر و بر
آج تک اس کا گھر
گھر اسی کا رہا
درد میں نے سہے
نام اس کا ہوا

(۲)
یا نصیر الوفی
بن کے دختر کبھی
گود میں کھیل کر
شفقتِ پدرانہ کی تشفی کی
اس کی خدمت، اطاعت
صبح و شام کر کے
سجایا سنوارا جو گھر میں نے تھا
وہ میرا گھر بھی میرا نہیں اور میں
دوسروں کی امانت پکاری گئی

یا متین البدیع
میں بہن تھی، تو چاہت سے مغلوب ہو کر
اُسی پر ہر اک شے لٹاتی گئی
گر تھا چھوٹا تو ماں کی طرح خواہشیں
اس پہ قربان کر کے مناتی خوشی
پھر بھی دل میں جگہ مجھ کو اس نے نہ دی

یا حسیب الولی
جنم جس کو دیا اِتنے ارمان سے
خود کو ٹکڑے کیا، بوجھ کر جان کے
مجھ کو ان رت جگوں کو ملے کچھ صِلہ
ٹوٹ جائے نہ الفت کا یہ سلسلہ
ہے یہی ایک جذبہ کسی طرح قائم
اسی ایک رشتے پہ ہے کچھ یقیں

لمحہ لمحہ بدلتا ہوا یہ جہاں
یوں نہ ہو جائے اس کو بدل دے کہیں
خوں نہ ہو جائے جذبات کا دیکھنا
آس تیرے کرم کی میں کھو دوں؟
نہیں!
یا سمیع الدعا، یا سمیع الدعا
یارب العالمیں یارب العالمیں

☆☆

پرانی کتابوں کی خوشبو

عجب ہلکی ہلکی
عجب بھینی بھینی
عجب اجنبی سی
مگر اپنی اپنی
تری یاد مہکے
مرے دل کے اندر
پرانی کتابوں کی
خوشبو کی صورت

☆☆

شہرِ امید

ہل رہی ہے زمین پاؤں تلے
شہرِ امید اجڑ نہ جائے کہیں
ہم کہ منزل کا خواب کیا دیکھیں
راہ تک جب نظر نہیں آئے
تم نے سپنے سجائے، خوب کیا
نیند کچھ پل کو آ بھی سکتی ہے

تاروں والی رات

اس کے ماتھے چاندی بندیا
سچے موتی دانت
دو آنکھیں جلتے دیپک
ننھی جیسے شام کا تارا
کالے نازک تن پر
شوخ چمکتا رنگیں لہنگا
گویا چاندنی میں برسات
وہ الھڑ، بنجارن لڑکی ہے
بالکل تاروں والی رات

منصب

یہ کس کی کوکھ سے جنما؟
یہ کیا مخلوق ہے آخر؟
جو انساں کو ہی اپنے سا کوئی ذی روح جانے
نہ اپنے ذہن سے سوچے
ہیں جان و جسم اس کے اور تابع دوسروں کے
ضمیر اس کا ہے سویا اک ردائے ظلم اوڑھے
دل گنہہ کے بوجھ کے نیچے
یہ معصوموں کے خوں سے رنگ کر ہاتھوں کو اپنے
سرخ رو خود کو سمجھتا ہے
دلوں سے ہائے نکلے اس طرح کے کام کرتا ہے
یہ شب خوں مارتا ہے اور شجاعت اس کو کہتا ہے
یہ مرتا بے سبب ہے اور شہادت اس کو کہتا ہے

☆☆

نسبت

مسکرانا، گھومنا، پھرنا
شہر سے دور جانا
چند دن فرصت میں پھولوں کو نظر بھر دیکھ لینا
کچھ پرندوں کی بھی سننا
آسماں کی وسعتوں کے سائے میں ہلکی چہل قدمی
پہاڑوں پر چمکتی چاندنی کی مہکی خاموشی
درختوں میں وہ پراسراری جھینگر کی بولی اور
بغیر آلودگی کا آسماں
تاروں بھری راتیں!

یہ سب جینے کی ہیں باتیں
میرے شانوں پہ ذمہ داریوں کا بوجھ ہے اتنا
کہ مرنے کی نہیں فرصت
مجھے پھولوں، پرندوں سے
ستاروں سے کہاں نسبت

☆☆

ظالم باتیں

سسکتی چاندنی دم توڑ بیٹھی ہے کبھی کی
رات کا سناٹا بھی کچھ اور گہرا ہو گیا،
چمگادڑوں کی سرسراہٹ
کتنی پراسرار لگتی ہے،
غرض میں ڈوبی تیری بے رحم باتوں کی صورت
چھیدتی کانوں کو جیسے!

یہ شکستہ اعتماد
اور اُس پہ بسمل دل ہمارا
خون روتا ہے
کہیں ایسا بھی ہوتا ہے.....؟

☆☆

بابل

سرمئی رنگ کی شرمیلی سی
ساری کستوریاں گا گا کے بلاتی ہیں مجھے
میری سکھیاں جو کبھی کھیلی تھیں
ساتھ ہنڈ کلیاں مرے
اور شہتوت سے لٹکا جھوُلا
جس سے چھو لیتی تھی میں
جا کے فلک کا دامن

اب کے جانا ہے مجھے ساون میں
گھر کے دروازے کو وا کر کے
کئی لمحوں تلک، ہاتھ الگ کرنا نہیں
اپنے کمرے کی دیواروں کو بہت نرمی سے
ذرا چھو لینا ہے
لیٹے لیٹے میں تکوں گی چھت کو
جس پہ دیکھے تھے کھلی پلکوں سے
میں نے کچھ خواب کبھی

یہ مگر ہوگا بھی آخر کیسے
کہ برس بیت گئے سوکھ گیا وہ شہتوت
کون ڈالے گا بھلا جھولا کہیں
کوئی کستوری وہاں گاتی نہیں
کسی دیوار کو گر چھولوں گی
بھربھری مٹی لگے گی گرنے
کوئی رہتا ہی نہیں اس گھر میں

☆☆

سجاوٹ

سجے سجائے
کمرے کے
پوشیدہ سے
اک کونے میں
چپ چاپ پڑا ہے سمٹا سا
اپنے اندر،
کتنی ہی
مٹی دھول چھپائے
میلا جھاڑن
جیسے اک مصروف گرہستن

☆☆

بچپن

اے مرے بچپن چلا آ لوٹ کر
بانہوں میں میری
لے کے میری وہ حسین گڑیا
نہیں جو میں کبھی کھیلی

وہ میرے ناز و نخرے
جو مجھے اک دن کی خاطر بھی
نہیں آئے میسر
کیوں کہ اپنی سی میں تنہا تھی
بھرے گھر میں
جسے اتنی بھی اہمیت نہ حاصل تھی
کہ اس کی سوچ کو سمجھے کوئی
سوچے کبھی کوئی
چلا آ میرے بچپن لوٹ کر
میں اپنی مرضی کے مطابق، اک دفعہ پھر
تجھ کو جی لو
دل کا ہر اک چاک سی لوں

☆☆

پاس سے جانے کو مت کہنا

مجھے بچپن میں تنہا چھوڑ کر تم
دور جانے سے پریشان رہنے لگتی تھیں
کہ میں بھوکی نہ رہ جاؤں
بھگو دوں اپنی نیپی (Nappy)
پالنے سے گر پڑوں
رودوں
گلا تھک جائے میرا
ناک بہہ جائے
پسینے سے چپک کر بال
ماتھے سے الجھ جائیں
کہیں آنکھوں میں چبھ جائیں
یہ خدشے تم کو مجھ سے دور رہ کر بھی
مرے اطراف رکھتے تھے
پرائے گھر کی ہولی میں
تو جب بھی تم گھری رہتی تھیں
لاکھوں وسوسوں کے بیچ

تم سے دور جا کر ساتھ لے آئی تمہاری روح کا سکھ
چین آنکھوں کا
اور اب میں بھی تمہاری بے بسی کا ذِکر سُن کر
آئی ہوں رخصت پہ کچھ دن کی
بہت کمزور لگتی ہو
مری فرقت کے سارے دن
لکیریں بن گئے ہیں اُس تمہارے چاند چہرے پر
سیاہ گیسو بھی سارا دے گئے تنہائیوں کے
کالے روز و شب کو اپنا رنگ
زخمی فاختہ کے پنکھ کی صورت
تمہارے خستہ شانوں پر یہ بکھرے بکھرے رہتے ہیں
بدن کی ہڈیاں ابھری ہیں
اور اک ہاتھ زخمی ہے
تمہیں میری ضرورت ہے
میں پلکوں سے تمہارے پاؤں کا ہر خار چن لوں گی
ہر اک الزام سر لونگی
جسے ہو گی ضرورت پاس میرے آ کے رہ لے گا
تمہیں پھر چھوڑ کے تنہا
کہیں میں اب نہ جاؤں گی
نہ مجھ کو دور پنے پاس سے جانے کو پھر کہنا
نہ مجھ کو دور اپنے پاس سے جانے کو پھر کہنا

☆☆

عجیب آدمی

ہنسی تمہاری کو ایک پل میں
وہ ڈھیروں اشکوں میں ڈھال دے گا
خوشی کے ہر اک خیال کو وہ
بنا کے آنسو نکال دے گا
وہ دل کی ہر پُرسکون دھڑکن کو
اس قدر تیز تر کرے گا
کہ دل کہ دورے کا وقت آئے
یا روح جینے سے اُوب جائے
وہ بات بے بات
غصّے میں آنے والا
کوئی عجیب آدم

☆☆

مہلت

ٹھہر جا اے اجل
اے مرگ کے ملکِ مہرباں
میں
جو جاؤں گی اچانک یوں
تو کتنے ان کہے اشعار
میرے ساتھ جائیں گے

کئی افسانے، جو
کچھ دیر میں جیتی تو لکھ لیتی
کئی نغمے مجھے بچوں کے سہرے پر
جو گانے ہیں
وہ مجھ سے چھوٹ جائیں گے
وہ جن کی آس میں میں نے
یہ تنہا دن گزارے ہیں
خوشی کے آنے سے پہلے وہ لمحے روٹھ جائیں گے
ٹھہر جا اے اجل، اے مرگ کے ملک مہرباں

میں
کہ یہ بھی جانتی ہوں
خوف سے تنہائی کے اکثر
مری شاموں نے خود تُم کو پکارا تھا

مجھے شب بھر کی مہلت دی
کہ دل پر فصلِ گل آنے کے کچھ ہی دن میں کھینچی تھی
پہاڑوں پر جو تصویریں
میں اک شب ساتھ ان کے رہ تو لوں تنہا
اور اپنی سوچ میں ہر شام کو جی لوں
ذرا اس سوکھتی ندی کا اک قطرہ ہی اب پی لوں
ٹھہر جا اے اجل، اے مرگ کے ملکِ مہرباں

☆☆
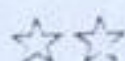
اجازت

جو گردن جھکا کر
مجھے اپنے ماتھے پہ
تم پیار کرنے کی دے کر اجازت سی
کرتے ہو فرمائشیں کچھ نئی
قیمتی ہی سہی!
مجھ کو سودا خوشی سے ہے منظور
کیونکہ
میں اب گود میں اپنی
تم کو سمیٹے
تمہارا یہ مکھ چوم سکتی نہیں
اپنے شانوں پہ تم کو بٹھائے ہوئے گھوم سکتی نہیں

(میران کے لیے)

☆☆

یہ بھی کوئی بات ہے آخر

جانے کتنے لوگ
جھلستی دھوپ میں پہروں جلتے ہوں گے
جانے کتنے بچے
سردی میں ننگے تن چلتے ہوں گے
کتنے پودے بن پانی مرجھاتے ہوں گے
کتنے خوشے پانی میں گل جاتے ہوں گے
کتنی ہونی بن بتلائے ہوتی ہوگی
کیسے کیسے ان ہونی ہو جاتی ہوگی
جنگل دھیمے دھیمے جلتے رہتے ہوں گے
پانی قطروں کی صورت بہہ جاتا ہوگا
اور نہ جانے بھی کیا کیا ہو جاتا ہوگا
دھوپ میں بھولے
سوتی کپڑے
پھیکے دیکھ کے
میں غمگیں ہوں
یہ بھی کوئی بات ہے آخر؟

☆☆

مہکتی تصویر

کچھ فرصت کے لمحوں میں،
کل ایک پرانے البم سے
نظریں کچھ ایسے الجھ گئیں
پل بھر میں برسوں کا رشتہ
جانے کیسے دل طے کر کے
اس لمحے میں جا ٹھہر گیا

ہاتھوں میں نقلی پھول لیے
جب تیری ہی خاطر میں نے
کھنچوائی تھی تصویر کبھی

تم کو دیکھے یگ بیت گئے
لیکن مصنوعی پھولوں کی
اصلی خوشبو نے چپکے سے
دل کی دنیا مہکا دی ہے
اک لڑکی من کے اندر سے
دھیمے دھیمے مسکا دی ہے

☆☆

جہاں کی گمشدہ چیزیں

کہیں دشت و بیاباں میں
کسی دیوار سے لپٹی
کوئی بے رنگ سوکھی بیل
یا کوئی کھنڈر ویرانے میں

پاتال سے نکلی کوئی اجڑی ہوئی تہذیب
کوئی بے نشاں بستی
کوئی ٹوٹا ہوا کتبہ
وگرنہ پھر کسی تربت کا اک بے نام پتھر ہی

میں ایسی کوئی بھی شے ہونا چاہوں
اس جہاں کی گمشدہ چیزوں کے اندر کھونا چاہوں

☆☆

ایک رات

کیوں ابھی اشک میں بہانے لگوں
اوڑھنی رنج والم کی اوڑھوں
سوچ پر درد وغم کو حاوی کروں
روح میں وسوسوں کو جگہیں دوں
تیری رخصت کو ابھی چار پہر باقی ہیں
تو فرائض کی ڈگر جانے سے پہلے اس شب
میرے احساس کی کلیوں پہ ٹھہر جانے دے
قرب کا کوئی شبنمیں موتی
پھر تصور میں بسائے کوئی ننھا سا وجود
چاند کو سوچتی میں سوتی رہوں
اور جدائی کا نہ منظر جھیلوں
تو سحر ہوتے ہی جب چل دے تو میں
ہو کے غمگین تری راہ تکوں

☆☆

سَحَر سے پہلے

ریشمی رات ذرا سونے دے
مجھ کو تسلیم، کہ ہر پل ترا لاثانی ہے
مخملیں سایہ اندھیرا، یہ سکوں
یہ دریچوں پہ مچلتی سی ہوائیں شفاف
مرے بستر کی یہ نرمی، اور چوتھی کا وہ چاند
جھوم اٹھے روح خموشی ایسی

پھر کہاں دن میں ملے گی یہ فضا
سحر تیرا یہ سَحر سے پہلے
اور میں پچھلے پہر کی بیدار
جانتی ہوں کہ فسوں ساز سایہ حسن ترا
مجھ پہ نشے کی طرح چھایا رہے دن بھر
پھر کوئی کام کروں گی کیسے
ریشمی رات مجھے سونے دے
مہرباں رات ذرا سونے دے

☆☆

خود مختاری

خوف نے خاموشی کی چادر پھیلا دی ہے وادی پر
بکتر بند گرج سے سڑکیں تھرّاتی ہیں رہ رہ کر
بھاری بوٹوں کی ہلکی سی گونج بھی دل دہلاتی ہے
گھر کے اندر کرتے ہیں سرگوشی میں ہر بات مکیں
کوئی گیت مگر چڑیا کا یا بچے کی کلکاری
خوف کی چادر سرکانے کو اپنی ضد پہ قائم ہے
کرفیو کی خودسر مختاری کا باقی سب کو ڈر ہے

☆☆

صبح کاذب

اٹھائے صبحِ کاذب ہاتھ اس نے
اور دعا دی عمرِ برکت کی، کئی برسوں کے ساتھی کو
جو اکثر اس کی نس نس میں، ہے عادی زہر بھرنے کا
دعا کے بعد وہ آمین کہنا بھی نہیں بھولی

اٹھائے ہاتھ پھر اس نے
کہ یاد آیا تھا دل میں بسنے والے بیٹے کا چہرہ
جو اب رہتا ہے میلوں دور اور فرصت نہیں اس کو
کہ وقفے رابطے کے کم کرے
کچھ درد بانٹے اس کا، اپنی بھی کہے اس سے،
جگر سے ہوک اُٹھی
نیم بند آنکھوں میں بھر آئے، مچلتے سے کئی آنسو
اٹھائے ہاتھ دونوں پھر کہ روٹھی بیٹی کا اس کو
کئی دن سے ہے غم سا، جو
ابھی سونے گئی تھی، دوپہر میں اٹھنے کی خاطر
گلہ جس کو ہے اس کے بے سبب سمجھاتے رہنے کا

گرائے ہاتھ دونوں گود میں اس نے
وہ قطرے جو لگے تھے اس کی پلکوں سے،
وہ ہاتھوں پر لگے گرنے
کئی خاموش لمحے یوں ہی گزرے
اک پرندے کی صدا آئی کہیں سے
اس کو یاد آئے بہت سے کام، لیکن
اک دعا اپنے لئے کرنا نہ یاد آیا

☆☆

اِبلیسیت

کسی انساں کی صورت میں
کوئی ابلیس فطرت شخص
لب پر جب مفتن بات لے کر پاس آئے
مسکرائے بھی تو نیت بھانپ لینا
پُرسکوں دل میں اُسے
طوفاں اٹھانے کی اجازت
تم کسی صورت نہ دینا
اور وہاں اک پل نہ رکنا
گر نہ ایسا کر سکو تو
ہاتھ میں کنکر نہیں پتھر اُٹھانا
اور شیطاں پر نشانہ باندھ لینا

☆☆

دل کا ناطہ

بہت غصے میں،
چڑ کر میں
خلاف اس کے ہی کوئی بات کر کے نظم
جب اس کو سناتی ہوں
بڑی ہی سادگی سے داد دیتا ہے
بڑی ایمانداری سے
کوئی عنوان بھی تجویز کرتا ہے
مجھے اس کی انہی باتوں پہ اکثر پیار آتا ہے
عجب یہ دل کا ناطہ ہے

کوئی بچ کر کدھر کو جائے

پلک اُٹھانے میں صرف ہوتی ہے تھوڑی طاقت
جو دیکھنا ہو کسی بھی شے کو
تو کرتی ہیں پتلیاں بھی محنت
رکابی تک تھام لیں اگر ہاتھ، کپکپائیں
ذرا سے زینے پہ سانس پھولے
دہانے کے پاس ہی پہنچ کر
نشانہ چمچ کا چوک جائے
کسی بھی ہڈی کا جوڑ دُکھ کر
عجب انوکھا سا ڈر جگائے

یہ اُس بڑھاپے کا ذکر ہے جو
بہت خموشی سے لے کے آئے
اجل کے کالے سیاہ سائے
تو کوئی بچ کر کدھر کو جائے

☆☆

دیوانگی

دکھ رہی ہے یہ کلائی میری
بند ہونے لگیں دونوں آنکھیں
اینٹھنے لگ گیا ہاتھ
اور قلم خشک ہوئے
کئی صفحات بھرے

شام ڈھلنے کو ہے اور کام ابھی باقی ہے
ذہن تسکین سے پُر ہے
روح آسودہ ہے
تھک گئی ہوں میں مگر
پھر بھی مجھے چین نہیں
یہ کوئی بات ہوئی؟

☆☆

حکمرانی

دور پچھلی گلی میں
کسی بچّے کے
گھر بدلنے سے
دل میرا غمگیں ہو کیوں
اس قدر
میری سوچوں پہ جذبات کی
حکمرانی نہ ہو
اُن مزاروں کے باہر
قطاروں میں بیٹھے اپاہج،
نہ آنکھیں مری نم کریں
یا خدا
تو مرے دل کو مضبوط کردے

☆☆

سیاہ آسماں

کوئی خواب آور سی شب
جب اچانک برسنے لگے
بن کے طوفان آندھی
چمکنے لگیں بجلیوں کی لکیریں
اندھیرے میں ڈوبے ہوئے
خوفناک آسماں پر

برسنے لگے پانی پتھر سا بن کر
مری کھڑکیوں پر،
مچے شور باہر

میں اُس وقت کمرے کی تنہائی میں
ڈرنے لگتی ہوں کیوں
بارشیں جب کہ لگتی ہیں
اچھی مجھے
سچی سچی مجھے!

☆☆

بسورتا جہلم

عجیب شہر تھا، ہر بات تھی عجب اس کی
خفا تھے راستے چپ چپ تھے ناتواں سے مکاں
اداس کھڑکیاں اکثر ہی بند رہتی تھیں
بسورتا سا کچھ اس طرح تھا رواں جہلم
کہ اس کو سمت کا اپنی نہ اب ہو اندازہ
فضا میں تھا کوئی ایسا سکوت جیسے ابھی
خبر ملی ہو کسی سانحے کے ہونے کی
یا میتیں کئی اٹھی ہوں ایک دن پہلے
گھروں میں بند تڑپتے ہوں جیسے زخمی وجود

عجیب شہر تھا ہر بات تھی عجب اس کی
جہاں پہ روئیں جو بچّے تو روتے ہی جائیں
سسکنے لگتی ہوں مائیں تو چپ کبھی بھی نہ ہوں
ہر اک بزرگ کے رخ پر ہراس واندیشہ
ہر اک نظر میں بسے ہوں ہزار الجھے سوال
مزاج پُرسی پہ انجان بن کے دیکھیں لوگ

ہنسائے کوئی تو اونچے سروں میں، رودیں لوگ
ہر اک قدم پہ ہو درپیش اک سفر مشکل
ہر ایک ذکر کسی غم کی اطلاع پہ ختم
اور ایک وہ ہیں کہ کہتے ہیں مسکراتے ہوئے،
کہ اب تو ٹھیک ہے سب کچھ حسین وادی میں

☆☆

وہ جوتے

وہ جوتے شور کرتے ہیں
فرش پر آواز ان کی یوں ابھرتی ہے
کہ جیسے اپنی سختی سے زمیں کی نرمیوں کو روندنا چاہیں
چوڑی چھوٹی ایڑھیوں کی دور جاتی وہ صدا
دل کے کہیں اندر عجب جذبے جگاتی ہے
کہ جیسے جاتے ہوں اُس راہ پر پاؤں،
مری خوشیاں نہیں شامل ہوں جس میں
جو رات آنے کے گھنٹوں بعد
کچھ ترتیب سے عاری سی آہٹ بن کے بجتے ہیں
کہ جیسے بوجھ اپنا پھینکتے چلتے ہوں گرد و پیش کی نازک فضا پر
مجھ کو اُن جوتوں سے کتنی سخت نفرت ہے

☆☆

بے ثمر بادل

چپ رہو بادلو
اتنی چاہت سے ہم نے بلایا تمہیں
منتیں مان کر ہم نوا جان کر
تم تو جیسے کہ ہو طیش کھائے ہوئے
آسماں کو ہو سر پر اٹھائے ہوئے
دھڑکنیں میرے دل کی بڑھائے ہوئے
چند بوندیں جو پانی کی برسائی ہیں
آنکھیں اس کے لئے کتنا ترسائی ہیں
اب یہ طوفاں ہوا کا لئے گھومتے
پھرتے ہو دندناتے یہاں سے وہاں
بس بہت ہو گیا شور و غوغا کہ اب
جاؤ رہ گھر کی لو
بے حس و بے دل و بے جگر بادلو
غصہ ور بادلو، بے ثمر بادلو

☆☆

جِن

ترے وجود کی وحشت ہم پر، دہشت کی صورت چھائی تھی
رشتے کا جن اندھا، بہرا،
اس کو بس اک ثابت، سالم، زندہ جاں مطلوب تھی ہر شب
ہر شب مرتی اس عورت کو، ممتا نے ہر صبح جگایا
قربت کے بے مہر تقاضے، بات سمجھ میں کبھی نہ آئی
وقت ہمارا نیند ہماری، سب میں تری ہی ساجھیداری
چاہ کی خاطر ترسا یہ دل حیراں، غلطاں، روح کنواری

☆☆
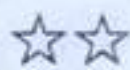
موسموں کی دلہن

مچا ہے شور سا اک آسماں پر دیر سے اب
گرج رہے ہیں وہ بادل گھٹائیں چھائی ہیں
نہا کے آیا ہے کوا بھی جانے کس رخ سے
چلی بھی آ ذرا جلدی اے موسموں کی دلہن....
لپیٹے بھیگے بدن پر چنری بوندوں کی
تری ہی راہ تکے جاتے ہیں ہمارے نین
دکھا دے اپنی پھبن
اے موسموں کی دلہن

چڑیا رانی

تجھے دیکھے ہوئے برسوں
رہی نظریں تری ہی کھوج میں
ہر شہر ہر گاؤں، کسی بھی ملک،
اور گر مل بھی جاتی، دل یہی کہتا
کہ تو نگری سے مری کیوں ہوئی غائب
تجھے برقی لہر والے غلط انداز کھمبے
جینے سے روکے ہوئے ہیں؟
جھنڈ تیرے کیا ہوئے پیاری دلاری؟
آج لیکن تجھ کو دیکھا تو،
سمجھ لے مل گئی جنت!
تری خاطر سجایا دیکھ، دستر خوان ہم نے بام پر
چگ لے، نہاریں تجھ کو یہ نینا
میں راضی ہوں نہ لوں گی سانس تک کچھ پل،
کہ تو پھر ڈر نہ جائے
پیاری، اپنی، بھولی بالی
چڑیا رانی

☆☆

شیشے سے جھانکتی تصویر

ترے معصوم چہرے پر نئی داڑھی کی رونق سے
تری گہری ذہین آنکھوں میں سائے یاسیت کے ہیں
مجھے معلوم ہے تو دور جانے سے پریشاں تھا
مگر یہ فیصلہ بھی تھا ترے اس محنتی دل کا

اک عرصے سے نہیں دیکھا تجھے لختِ جگر میں نے
یہ میری میز کے شیشے سے مسکاتی شبیہہ اکثر
مجھے کہتی ہے رونا مت،
میں جلدی لوٹ آؤں گا
مگر یہ دل کہ نازک ہے
اور آنکھیں پڑھتے لکھتے بار ہا نم ہوتی رہتی ہیں

(بدران کے لئے)

☆☆

گہرا رشتہ

حسیں دنیا
سُبک. چڑیاں
یہ ہریالی، گل و غنچے
سکونت محل کے ایسی
یہ عزت شاہ کے جیسی
کتابیں ہیں، خموشی ہے، فضا میں گرم جوشی ہے
مگر دل کو تمہاری یاد
چین اک پل نہیں دیتی
خوشی پر غم کا یہ پہرا!
ہے رشتہ کو کھ کا گہرا

☆☆

ان گنت سر والا ظالم

ان گنت سر والا ظالم آگ برساتا پھرے
ہو گئیں خستہ عبادت گاہیں، کتنے گھر جلے
راکھ ہیں ننھے بدن اور خاک ہیں پیر و جواں
وہ ستم پیشہ بناتا ہے مزاروں پر مکاں
ہے بضد، رد ہو بجز خود، ہر تمدن کا نشاں
مغربی وہ اصل نسلیں، وسط، باہر، در جہاں
ہاں وہی صدیوں سے جس کا شوق ہے غارت گری
جام جو ملبے یہ چھلکائے کرے جشنِ خودی
جو چلے تاراج کرنے، راستوں کی بستیاں
اسلحے کے ساتھ لے جائے نئی بیماریاں
ہو رہے ہیں لوگ کتنی سمت اس لمحے بھی قتل
یا اسے درد آشنا کر دے خدایا دے دے عقل

☆☆

ہم چشمی

کیوں مجھ سے مرعوب ہوا تنے
تین میں ہوں نہ ہی تیرہ میں، میں
کیا ہے مری چھوٹی سی ہستی
نہیں ہوں عہدہ کوئی سنبھالے
میں ایک عام سی سادہ عورت
ماں، گرہستن، بیوی، بیٹی
تم گھر کے مالک مختار ہو
میرے پل، تمہارے طابع
تم اونچے ہو اور ہو گے
پھر یوں کیوں ہے
یہ آدھی جھوٹی سی باتیں
یہ انداز حریفانہ سا
مجھ سے بات چھپائے رکھنا
چاہے جانے ساری دنیا
مجھ سے کیسی یہ ہم چشمی تم سمجھادو
چاہے پھر احسان جتادو

☆☆

کوکھ کا درد

مجھے سب یاد ہے جب نصف شب تک
گھر کے باغیچے میں تم بے چین پھرتی تھیں
کہ کمروں میں عجب سناٹا رہتا تھا
بڑی ہی یخ ہوا چلتی تھی اُن اونچے چناروں میں
تمہاری ناتواں جاں میری ننھی جان کے ہمراہ
خدشوں سے دھڑکتی جب،
میں اپنے درد آگیں کوکھ گھر میں رویا کرتا
بے توازن چال کی آہٹ پہ جب تم مطمئن ہوتیں
انا کے شور سے چیخ اُٹھتی خاموشی
تمہاری بے صدا چیخیں
مری نس نس میں آبستیں
میں جب دنیا میں آیا مسکرائیں تم
سنبھالے مجھ کو آنچل میں
ابھی بھی جاگتیں تم نصف شب تک!
میں تمہارا غم، تمہارے دودھ میں پیتا
تمہاری سسکیاں بوسوں میں سُنتا

گھٹنوں چلتا، دوڑتا، اپنی کتابوں میں
تمہارا سہما سہما سا سراپا دیکھتا!
اتنا بڑا ہو کر نہیں سمجھا،
یہ جذبہ کیسا ہے جو تم کو اپنی قدر تک کرنے نہیں دیتا
تمہیں جینے نہیں دیتا، تمہیں مرنے نہیں دیتا
کبھی تو سوچتیں تم ماں!

☆☆

دو خطوط

۱۔

شریک زندگی میرے
جو مر جاؤں دماغی موت
اور یہ جسم زندہ ہو
تو مصنوعی تعلق سانس کا تم توڑ مت دینا
مرا بے حس وجو ایسے ہی ہو گا منتظر
قدموں کی آہٹ کا
کرو گے بات تم، تو میں سنوں گی
جو ساجھی زندگی جی ہے خیالوں میں جیوں گی
تم کو میں نے زندگی کے ساتھ چاہا ہے

۲۔

مرے لختِ جگر
اک دن اگر مر جائے میرا ذہن اور یہ جسم زندہ ہو
نہیں ہونا پریشاں
سوچنے میں وقت تم برباد مت کرنا

یہ کہہ دینا طبیبوں سے کہ کر دیں منقطع
اُن جعلی سی سانسوں کا رشتہ
میں سکوں کے ساتھ جاؤں گی
نئے آفاق تم تسخیر کرنا
تم کو میں نے زندگی سے بڑھ کے چاہا ہے

☆☆

چھٹیاں

پہاڑوں کی دھوپ چھن کے آئی
گلوں کا پتوں سے لمس لائی
روپہلی شفاف ٹین کی چھت
یہ قوسیہ زینہ، اوس شبنم
گھنے چناروں کے سائے گہرے
ہرے سفیدوں کے اونچے پہرے
سفید میگنولیا کا بوٹا
یہ بید کی ٹہنیوں کی کرسی
چمکتے چوبی مکاں سے اٹھتی
یہ وارنش کی سگندھ بھینی
یہ پاؤں کو گدگداتا قالی
دبیز صوفے مہین پردے
یہ سرد موسم کا نرم بستر
یہ جنگلوں میں پلے کبوتر
یہ بن کے پھولوں کی مست خوشبو

فسوں پکاریں اسے کہ جادو

یہ نرم رو بادِ روح پرور

یہ پتّوں کی راز داں سی سرسر

یہاں بُنا قمریوں نے ہے گھر

یہ دل کشا دل نشیں منظر

نظر سے اوجھل کریں تو کیوں کر

یہ چھوڑ کر کیسے شہر جائیں

☆☆
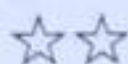
عالمِ ارواح

یہ گھر، عزت، خوشی،
یہ حسن، دنیا، پیڑ پودے
راستے، چڑیاں،
یہ نمکیں سی ہوائیں
میٹھی میٹھی دھوپ
رشتے، کام، یا خوش ذائقہ کھانے
محبت، ننھے بچے
اور بہت کچھ
جینے کی خاطر ضروری ہے
تو پھر کیوں اُوبتا ہے دل
کبھی جب زندگی اور موت
یکساں لگنے لگتی ہے،
تھکن کے ایسے ہی پل جوڑتے ہیں
روح کو اک عالمِ ارواح سے یوں
آتما پرماتما کو ایک کرتے ہیں
سکوں ایسے بھی ملتا ہے

☆☆

لانگ ڈِسٹینس کال

(Long distance call)

کبھی جب بجے لمبی دوری کی گھنٹی
سمجھنا کہ تم کو کیا یاد میں نے
تم ہی سب سے پہلے اٹھانا ریسیور (receiver)
کبھی جب بجے صرف اک بار گھنٹی
تو اُس وقت بھی سوچ لینا یہی تم
تری یاد سے نم ہوئیں میری آنکھیں
مگر لمبی دوری کی گھنٹی، کبھی جب
سنائی نہیں دے مسلسل کئی دن
سمجھنا کہ تم کو کیا یاد دل نے
بڑی خاموشی سے
بڑی بے بسی سے
یا شہرِ خموشاں کی پتھر دلی سے

☆☆

ملتے رہیے

دوستوں کو ملتے رہنا
فون کرنا ہے ضروری
کچھ دنوں میں گر نہ ہوگا رابطہ
تو پھر مہینہ بھر نہ ہونے کا ہے اندیشہ
یہ ہو سکتا ہے یوں اک سال ہی ہو جائے
ہم نمبر ملائیں، وہ بدل جائے
یہ خدشہ ہے نہ ہو موجود ہی اور
یہ بھی خطرہ ہے، نہیں ہو دوست بھی موجود پھر
بس اس لئے تو
دوستوں کو ملتے رہنا فون کرنا چاہیے

☆☆

صبح

گہری نیلی روشنی
بادِ صبا
پھولوں کی خوشبو
اور
شاخوں کی مہک
بلبلوں کے نغمے چڑیوں کی چہک
جب سو رہے ہوں، لوگ
کچھ ہوں جاگتے اور
جب زمیں، موسم، فضا کی خاموشی
یا آسماں کی وسعتیں،
سب اپنی ملکیت لگیں

وقت ہوتا ہے وہی،
لکھنے کا پڑھنے کا
بہت کچھ سوچنے کا
کھیلنے کا سیر کرنے کا
عبادت کا، کُل عالم سے محبت کا

☆☆

بحرِ زخّار

خوشبوئیں بند کئی غنچوں میں
بحر زخار کسی پیالے میں
تہہ در تہہ قطار باندھے خموش
مجھ سے ملنے، مرا ہونے کے لیے
مری فرصت کی رسائی سے بھی دور
جھانکتا پنوں سے جیسے چھپ کے
علم ہے بند مرے گھر میں رکھی
ان گنت کتب میں اُداس پڑا

☆☆

دل کے چار خانے

میری خاطر جو ہے مخصوص دہائی بھر سے
وہ الگ خانہ ہے،
ایک میں عشق چھپائے
اس کو دو سال ہوئے
تیسرے خانے میں رہنے کے لئے آئی ہے
ایک ہمسائے کی مہماں لڑکی
اور ابھی خالی ہے چوتھا خانہ
سارے جذبوں کو نبھاتا ہے وہ انصاف کے ساتھ
مری چاہت کے بغیر آتا نہیں جینا اسے
فون معشوقہ کا آجائے تو کھِل اٹھتا ہے
نئی لڑکی کے لئے آتا ہے برآمدے میں
چائے پیتا ہے وہاں بیٹھ کے وہ ساتھ مرے
ویسے شاداں نظر آتا ہے مگر
خالی خانہ اسے بے چین بھی کرتا ہے کبھی
دل اُسے ایسا ہی قدرت نے دیا ہے اور میں
اس کی پسلی سے بنی ہوں، اس کا غم جانتی ہوں
کتنا معصوم ہے، پہچانتی ہوں

یہ مجھے اچھا نہیں لگتا

اپنے ہونٹوں پہ سجاؤ نہیں ہر پل مسکان
نہ نگاہوں سے کرو میرا طواف
مجھ کو دیکھو نہ عقیدت کو محبت میں ملا کر ایسے
غلطی میری نہ ہنس کر ٹالو
میری ہر ہاں میں ہاں ملاؤ نہ یوں
بے سبب ٹھہری ہوئی نرمی تمہارے رخ پر،
میرا دل سخت کیے دیتی ہے
یہ مجھے اچھا نہیں لگتا ہے

☆☆
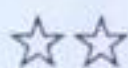
رات بھر بارش ہوئی ہے

ڈُھلے دھلائے
گیلے گیلے
پیڑ کی ٹہنی پر بیٹھی ہے
بائیں اور پنکھ اپنا نیچے لٹکائے
اک بلبل بھیگی بھیگی سی
دکھیاری سی
رات بھر بارش ہوئی ہے

☆☆

چاہتوں کے گلاب

چل دیے چھوڑ کر اگر کبھی تم
ختم ہوتی نہیں ہے دنیا یہیں
زندگی ایک بار ملتی ہے

آہ بھر کر نہ وقت کاٹوں گی
بے وفا ہو، ہوا کرو، میں بھی
درد اپنا کسی سے بانٹوں گی
زندگی کے حسیں گلشن سے
چاہتوں کے گلاب چھانٹوں گی

☆☆

میری بہنا

مجھے یاد آتی ہے میری وہ بہنا
کہ جس نے مرے بیتے بچپن کی خوشیاں
ہمیشہ سے ہی اپنے حصے کی کر ڈالنا
سوچا تھا
جس نے مجھ کو میرے ہر بڑے کی نظر میں
کسی بھی طرح چھوٹا جتلانے کو
جھوٹ بولے تھے لاکھوں
مری شکل وصورت
مری عادتوں سے جو بیزار تھی
میری ہر بات سے کھاتی جو خار تھی
جس نے سارے زمانے کے
بغض اور نفرت مری جھولی ڈالے
جو سسرال جانے سے پہلے بضد تھی
کہ ہو جائے طے،
اس کی کوئی
بچی، ٹوٹی پھوٹی خوشی،

میرے حصے نہ آئے

مجھے یاد آتی ہے وہ میری بہنا
کہ اب اس کو مدت سے دیکھا نہیں،
میری آنکھوں نے اور لے کے لاکھوں سوال
آج ہیں اشکبار
اُسے دیکھنے کو بڑی بے قرار
اس کا اپنا ہے گھر
اور میں اپنے گھر میں
لیے ساجھے بچپن کی یادیں ہزار

☆☆

چہروں کو کیا ہو جاتا ہے

پھولوں ایسے تازہ چہرے
سوچوں کی اندھی گلیوں میں
جانے کیوں بھٹکا کرتے ہیں
رستہ بھی بھولا کرتے ہیں
کبھی بہت دن لگ جاتے ہیں
رستہ نہیں سجھائی دیتا
اور بہت دن بعد، بہت سے
الٹے، سیدھے، اور آڑے خط
اوڑھ کے واپس آتے ہیں تو
آئینہ انجان سا بن کر
منہ ان کا تکتا رہتا ہے

☆☆

کالا کرتا

ضد ہے تم کو دور نگر سے کچھ لانے کی
تو پھر اک کرتا لے آنا
رنگ ہو اس کا بھنورے ایسا
اور گلے میں اک زنجیر سنہری یا روپہلی سی ہو
بازو ہاتھوں تک آتے ہوں
لمبائی گھٹنوں تک پہنچے

پاس مرے ہیں پہلے بھی کچھ کالے کرتے
ان کے ساتھ اسے رکھ دوں گی
اور جب جب اس کو پہنوں گی
چہرے پر مسکان کھلے گی
رنگِ سیہ پر کوئی رنگ نہیں چڑھ پاتا
میرے عشق کا رنگ ہے کالا
تیری چاہ کی رنگت جیسا

☆☆

ایک تصویر

ایک تصویر جو ہم دیکھتے آئے برسوں
نقش ہے دل پہ، تعارف کے ہی ساتھ
وہ ذہانت سے چمکتی آنکھیں
سوچ میں ڈوبی ہوئی چاندی اک پیشانی
زلفِ خم دار کتابی چہرہ
صنفِ محکوم کے دکھ درد میں غلطاں پیچاں!

اور تصویر کے ہمراہ وہ معمار قلم
دانش و فکر سے ادراک سے منطق سے جو
دلِ بے حس کو بھی بیدار کرے

آج تصویر نظر آئی تو جی بھر آیا
ان ذہانت بھری آنکھوں میں سیہ حلقے ہیں
رخ روشن پہ نظر آتے ہیں لہراتے ہوئے،
غم کے سفاک، ستم گر سائے
کوئی ہم عصر کہ مداح کہ قاری یا کہ دوست

سب ہوئے جاتے ہیں دل آزردہ
جاں لرزتی ہے نہ مرجھائے شگفتہ سا یہ پھول
ہیں دعا گو کہ یہ مضروب جگر پائے سکوں
دلِ نازک کو قرار آ جائے
پھر وہ بچوں سی ہنسی رہنے لگے ہونٹوں پر
تھام لے بادِ صبا، موسمِ گل، دامن کو

یوں خفا ہو کے نہ دنیا سے نگاہیں پھیرو
شاعرہ!
ہم سے نہ خود کو چھینو۔

(فہمیدہ ریاض کے لئے)

☆☆

شام کی نظمیں

پردیس کا شہر

یہ سرمئی بادلوں کے سائے،
یہ شام کی تازہ تازہ سی رت
یہ گاڑیوں کی کئی قطاریں
یہ باغ میں سیر کرتے جوڑے
یہ بچوں کے قہقہے سریلے
وہ دور سے کوکتی کویلیا
یہ عکس پانی میں بجلیوں کا
چہار جانب ہے شادمانی
مگر میں ہوں بے قرار مضطر
نہیں ہے اس شہر میں مرا گھر

☆☆

عیاشی

محبوب کی مانند اٹھلائے
معشوق کی صورت شرمائے
ہریالی کا آنچل اوڑھے
ہر شاخ ہوا میں رقصاں ہے
میں پیار بھری نظروں سے انھیں
مسکاتی دیکھے جاتی ہوں
شاموں میں پیڑوں کو تکنا
ہے میری نظر کی عیاشی
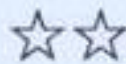
پتوں کے سائے

شام کے ڈھلتے، اترنے کے لئے کوشاں
ہوا کرتی ہے، جب جب مخملیں شب
باغ کے اطراف پھیلے سب گھروں کی بتیاں
جلتی ہیں اک کے بعد اک
ایسے میں پتوں کے سائے کھڑکیوں کے لمبے شیشوں پر
سمیٹے اپنا سارا حسن مجھ کو دیکھ کر گویا
خوشی سے مسکراتے ہیں، جہانِ دل سجاتے ہیں

شفق گوں سبزہ

بڑی تکلیف تھی تحریر کو منزل پہ لانے میں
تناؤ کا عجب اک جال سا پھیلا تھا چہرے پر
کھنچے تھے ابروؤں میں سیدھے خط
پیشانی پر آڑی لکیریں تھیں
خمیدہ ہوتے گاہے لب
کبھی مژگاں الجھ پڑتی تھیں باہم!
گرا کر پردۂ چشم اپنی آنکھوں پر
غرق ہو جاتی سوچوں میں
کہ افسانے میں دیوانے کا کیا انجام لکھوں؟
اور اسی میں دوپہر ڈھل گئی
نظر کھڑکی کی جانب جب اٹھی تو
دیکھا شام آتی ہے عظمت سے
شجر، پتے عجب سے نور میں روشن ہیں
شامل ہیں بہت سے رنگ جس میں
قرمزی کرنوں نے
سبزے کو شفق گوں سا منعکس کر کے

ملکوتی فضا میں ڈھال کر

میری نگاہوں تک بڑی عجلت سے لایا ہے
میں اس کو دیکھنے میں گر نہ کچھ پل خود کو گم کرتی
تو ماتھے کے شکن چہرے پہ چھایا یہ تناؤ
بے سکوں آنکھیں
سبھی مل کر میرے دل کو بجھا دیتے

☆☆

استغراق

کچھ نہ سوچوں
میں کچھ نہیں سوچوں
یوں ہی کھڑکی سے شام کو دیکھوں
پرسکوں آسماں خموش درخت
سرمئی روشنی، ہوا، یہ سکوں
اپنی نس نس میں منتقل کرلوں
دل کی دھڑکن کو روک دوں کچھ پل
ایک دفعہ پلک نہیں جھپکوں
یوں ہی بیٹھی رہوں جو بے جنبش،
روح پھر رب سے بات کرتی ہے
کتنے ہی کام ساتھ کرتی ہے

☆☆

شام کا سحر

ابھی پرچھائیاں اونچے درختوں کی،
جدا لگتی ہیں رنگِ آسماں سے،
ذرا پہلے گیا ہے اِک پرندہ باغ کی جانب
اُدھر سے آنے والے ایک طیّارے کی رنگیں بتیاں،
روشن نہیں اتنی
وہ نکلیں ہیں سبھی چمگادڑیں اپنے ٹھکانوں سے
بڑا مبہم سا آیا ہے نظر، زہرا فلک کے بیچ،

ٹی کوزی کے نیچے ہے گرم اب بھی بچا پانی
کسی نے مجھ کو اندر سے نہیں آواز بھی دی
میں
ذرا برآمدے میں اور رہ لوں
فسوں میں شام کے، پُرواسی بہہ لوں

☆☆

شرمیلی خاموشی

شام کی شرمیلی چپ کو
روح میں محسوس کرتے
کام میں مصروف ہیں ہم دوپہر سے
دل کی آنکھیں دیکھتی ہیں گہری گہری سبز شاخوں کو
جو بیٹھی ہیں خموشی سے
کیے خم گردنیں اپنی
کسی دلہن کی صورت
سر پہ اوڑھے آسماں کی سرمئی چنزی
ستارے جس میں ٹانکے جا رہے ہیں
ہم اپنے اس تصور پر خود ہی مسکا رہے ہیں

☆☆

برسات کی خشک شام

سنہرے سبز پتے،
سرمئی نیلا سا، نارنجی بہ مائل سرخ رنگ آسماں
خوشبو ہوا میں بھیگی سوندھی سی
ابھی سورج ڈھلا ہی ہے
خنک کمرے کی ساری کھڑکیوں کو بند کر کے
جھانکنا شیشوں کے اندر سے
خوش آگیں مشغلہ ہے

☆☆

شام کی بارش

کون سے کوہ کی آڑ میں لی خورشید نے جا کر آج پناہ
چوطرفہ یلغار سی کی ہے ابر نے بھی تا حدِ نظر
دھیمے چلتے کالے بادل، اڑتی سی اُجلی بدلی
رقصاں رقصاں جھلک دکھا کر رہ جاتی ہے برق کبھی
پتوں کے جھرمٹ میں سائے کجلائے شرمائے سے
پھول حلیمی سے سرخم اور کلیاں کچھ شرمائی سیں
دانستہ بارش میں اڑتے پھرتے آوارہ طائر
یہاں وہاں بیٹھے کتنے بھیگیں چپ چاپ سے خوش ہو کر
بجلی کی مانوس کڑک، شہ زور گرج یہ بادل کی
اب کے ہم نے کتنی دھوپیں اس موسم کی راہ تکی

☆☆

کوئی بات کرو

منہ بسورے یہ شام کھڑکی پر
آن بیٹھی ہے دوپہر ہی سے
دل کہ جیسے خزاں زدہ پتہ
ٹوٹنے کو ہے،
کوئی بات کرو!

☆☆

چپکے چپکے رویا جائے

شام بجھی سی، پنچھی چپ،
سینے کے اندر سناٹا
اور روح میں نغمے غم آگیں
دل کے سب زخموں کو اشکوں سے دھویا جائے
کچھ لمحوں کو چپکے چپکے رویا جائے

☆☆

شامِ تنہا

شامِ تنہا یونہی چپ چاپ اندھیرے لے کر
گھر کے اندر ہی چلی آئی ہے
بتیاں گُل کیے ہم بیٹھے رہے
شام کو اور کچھ اداس کریں
رنج اور غم کو پاس پاس کریں

آبائی گھر

ماتمی شام اتر آئی ہے پھر بام تلک
گھر کی تنہائی کو بہلائے کوئی کیسے بھلا
اپنے خوابوں کے تعاقب میں گئے اس کے مکیں
منتظر ہیں یہ نگاہیں کہ ہیں بجھتے سے دیے
راہ تکنے کے لئے کوئی بچے گا کب تک
پھر یہ دیواریں بھی ڈھے جائیں گی۔

☆☆

ضروری بات

نیلی نیلی شام کی خاموشیوں کے بیچ
کیا سرگوشیاں سی کرتے ہیں شاخوں سے یہ پتے
جھکا ہے گل کلی کے رخ پہ ساری خوشبوئیں لے کر
بکھیرے زلف، سورج کی طرف چلدی ہے اک بدلی
ہوا اٹھکیلیاں کرتی ہے رُک رُک کر درختوں سے

زمیں کو آسماں نے لے لیا اپنی پناہوں میں
تم آجاتے اگر گھر آج جلدی،
مجھ کو بھی تم سے ضروری بات کرنا تھی!

منتظر ہے شام

دو جہاں کا حسن لے کر منتظر ہے شام کھڑکی پر
شکستہ پَرسی نا اُمید، اشک آنکھوں میں بھر کر
اس طرح ساکت نہ بیٹھو اک جگہ پر
کانچ کو پتھر کی سنگت میں ہی رہنا ہو
تو اک رستہ یہ ہے
وہ فاصلوں کو درمیاں رکھے
سنو!
یہ زیست ایسی شے نہیں مل پائے گی پھر

دو جہاں کا حسن لے کر منتظر ہے شام کھڑکی پر
چلو ہلکے سے رنگوں کی لپیٹو اوڑھنی
برآمدے میں اس سے کھیلیں گی ہوائیں کاسنی،
پھر جامنی سی روشنی اوڑھائے گی اک مخملیں چادر
منقیش اس میں ستارے ٹانکنے اتریں گے،
دیکھو!
زندگی کا اور اک دن ہے گزرنے کو، اٹھو تو
دو جہاں کا حسن لے کر منتظر ہے شام کھڑکی پر

☆☆

ہزار شعر

شام تجھ پر ہزار شعر کہوں
دل کو پھر بھی قرار آتا نہیں
یہ ترا حسن یہ حلیمی تری
تیری خاموشیاں یہ معنی خیز
دن سمیٹے تو اپنے آنچل میں
کیسے پل پل بکھیر دیتی ہے رنگ
اور اندھیرے میں ڈوب جانے کو
تیرا کچھ ہی گھڑی کا نرم وجود
خوشبوویں گھولتا فضاؤں میں
دوش پر یوں اڑے ہواؤں کے
جیسے تجھ کو سوائے الفت کے
اور کچھ بھی نہیں سجھائی دے

کس قدر پر سکون لگتے ہیں
آ کے تیری پناہ میں یہ شجر
سر بلندی یہ کوہساروں کی
ہوئی واضح شفق میں تیرے سبب
ہو گئے نغمہ ریز سب طائر
جانے کب میں بھی گنگنانے لگی

☆☆

منتظر ہے شام

دو جہاں کا حسن لے کر منتظر ہے شام کھڑکی پر
شکستہ پَر سی نا اُمید، اشک آنکھوں میں بھر کر
اس طرح ساکت نہ بیٹھو اک جگہ پر
کانچ کو پتھر کی سنگت میں ہی رہنا ہو
تو اک رستہ یہ ہے
وہ فاصلوں کو درمیاں رکھے
سنو!
یہ زیست ایسی شے نہیں مل پائے گی پھر

دو جہاں کا حسن لے کر منتظر ہے شام کھڑکی پر
چلو ہلکے سے رنگوں کی لپیٹو اوڑھنی
برآمدے میں اس سے کھیلیں گی ہوائیں کاسنی،
پھر جامنی سی روشنی اوڑھائے گی اک مخملیں چادر
مقیش اس میں ستارے ٹانکنے اتریں گے،
دیکھو!
زندگی کا اور اک دن ہے گزرنے کو، اٹھو تو
دو جہاں کا حسن لے کر منتظر ہے شام کھڑکی پر

☆☆

نعمت

دن بھر بکھری پڑی تھی
اپنے بستر پر، لگتا تھا مجھ کو
حال برا، مستقبل ویراں
نم پلکیں مُند نے کو تھیں، اور
کھڑکی میں سے شام نے جھانکا
آنکھیں جا منظر میں اُلجھیں

کھچی سی جیسے، بام پہ پہنچی

فلک تھا نیلا، مہکا مہکا
نیا نویلا چاند اور اُس کے
پاس چمکتا ایک ستارہ
دیکھ کے روح نے سرگوشی کی
حسن ہے کتنا اس دنیا میں، اور
میری دو آنکھیں زندہ
شکر ہے اللہ

☆☆

شفق گوں کرنیں

بڑی تکلیف تھی تحریر کو تخلیق کی منزل پہ لانے میں
تناؤ کا عجب سا جال پھیلا تھا
کھچی تھیں ابروؤں کے درمیاں گہری لکیریں
اور سکڑتی تھیں کبھی آنکھیں، کبھی مژگاں الجھ پڑتی تھیں باہم
لبوں کو بھینچ کر سوچوں میں میں گم تھی
کہانی کا یہ جذباتی ہے جو کردار، کیا انجام ہو اس کا
اسی میں ڈھل گئی دوپہر اور اٹھی نظر کھڑکی کی جانب جب
تو دیکھا شام اترنے کو ہے
سارے پتے اک عجب سے نور میں روشن ہیں
شامل ہیں بہت سے رنگ جس میں۔
قرمزی کرنوں نے سبزے کو شفق گوں سا
منعکس کر کے، ملکوتی فضا میں ڈھال کر

میری نگاہوں تک بڑی محنت سے لایا تھا
میں اس کو دیکھنے میں گر نہ کچھ پل خود کو گم کرتی
تو ماتھے کی شکن، چہرے پہ چھایا یہ تناؤ
سخت جبڑے، بے سکون آنکھیں، سبھی مل کے میرے دل کو بجھا دیتے۔☆☆

نظم

نسائی نظمیں ریڈیو کے لئے

گیت

روک دو اپنے بڑھتے قدم

روک دو اپنے بڑھتے قدم بس وہیں
اتنی لاچار کمزور میں اب نہیں
صبر انسانیت ہیں مری طاقتیں

پیار قربانیاں ہیں مری دولتیں
گاڑی بانی کروں، کشتی رانی کروں
سرحدوں کی بھی میں نگہبانی کروں
سائنس، انصاف، یا میں پڑھوں ڈاکٹری
کھینچوں ٹریکٹر، پولیس کی کروں نوکری
میں اڑاؤں جہاز اور خلاء میں چلوں
پر قدم اپنی مٹی پہ ہی رکھتی ہوں
پھول چنتی ہوں، پتھر بھی ڈھوتی ہوں میں
چین کی نیند کانٹوں پہ سوتی ہوں میں

ہر محکمے میں گو کام کرتی ہوں میں
کالے دل، میلی آنکھوں سے ڈرتی ہوں میں

اب مگر میں، بہت دن ڈروں گی نہیں
جرم رو کے بنا میں مروں گی نہیں
کوئی کہہ دے یہ میلی نظر والے کو
بھورے کو، پیلے کو، گورے کو، کالے کو
چاہتے ہو زمانے میں عزت اگر
تو چنو اپنی خاطر وہ سیدھی ڈگر
جس پہ تم کو نہ ذلت اٹھانی پڑے
اور دعا دوسروں کی بھی شامل رہے۔

☆☆

گیت

نئے یگ کی ناری

نئے یگ کی ناری نہیں ہے بیچاری
وفاؤں میں کھوئی ہوئی سیتا بن کی
ستی یہ ساوتری، یہ مریادا، شکتی
یہ ممتا میں سورج مکھی گھر چمن کی
بہت اب بھی باقی ہے سنگھرش اس کا
یہ کیوں اپنے حصے سے زیادہ سہے گی
کہیں سوہنی کچے گھڑے پر بہے گی
انا کے ہوں جھگڑے تو لیلیٰ مرے گی
بہت اب بھی باقی ہے سنگھرش اس کا
جو ابرو اٹھے تو سمجھنا درانتی
نئے یگ کی ناری نہیں ہے بے چاری

بھروسے کی مُورت ہے سارے کی ساری
یہ مسکاتی مدھماتی رادھا، کشن کی
یہ میرا کا وشواس، لل دِد کی بھگتی
یہ راکھی کے بندھن میں چاہت بہن کی
ہیں تازہ ہوائیں ہی سنکلپ اس کا
خطا وہ کریں اور یہ الزام لے گی
بلی، جھوٹی عزت پہ شیریں چڑھے گی
زہر ہیر کھائے گی، ڈولی اٹھے گی
ہیں تازہ ہوائیں ہی سنکلپ اس کا
جو ٹوٹے گا کنگن، بنے گی کٹاری
بھروسے کی مُورت ہے سارے کی ساری

☆☆

تہذیب پہ داغ لگائے گا

میں ہر میدان میں ہوں آگے
ہر دم قائم ہیں ہوش مرے
دن بیت گئے جب طاقت کو
تم اپنے نام لکھاتے تھے

جو مجھ کو آنکھ دکھائے گا، تہذیب پہ داغ لگائے گا
پتھر کے دور کا انساں بھی پانی پانی ہو جائے گا

گھر آنگن کو دیکھا بھالا
میں نے اوتاروں کو پالا

میں نے ولیوں کو جنم دیا
مذہب میں ہے رتبہ مرا بڑا

تو میلی نظر اٹھائے گا تہذیب پہ داغ لگائے گا
پتھر کے دور کا انسان بھی پانی پانی ہو جائے گا

مہندی، کاجل، مسّی جھانجھر
سب سجتے ہوں گے اس تن پر
طاقت ہے مری تعلیم مگر
ہمت ہے میرا اصلی زیور

تو دل جو مرا دکھائے گا، تہذیب یہ داغ لگائے گا
پتھر کے دور کا انسان بھی پانی پانی ہو جائے گا

غزلیں

○

آگاہی اور علم کے قطروں کی پیاسی ہو جاؤں گی
اِتراتی اسناد پہ، بیٹھی جاہل سی ہو جاؤں گی
کتنے سورج چاند ستارے، ختم کہاں ہوتا ہے فلک
اور اگر اب سوچوں گی تو پاگل ہی ہو جاؤں گی
یا تم مجھ سے وفا کرو یا میں ہر جائی بن جاؤں
مجھ سے ہو جاؤ ورنہ پھر تم جیسی ہو جاؤں گی
ملنے کی شامیں، جیسے برسات میں جھلکے چاند کبھی
ہجر کی راتیں سہتے سہتے تاریکی ہو جاؤں گی
گھر کے اندر انا کے جھگڑے کیوں دہراتے رہتے ہو
سیدھی رہ اپنالو، پسلی ہوں، ٹیڑھی ہو جاؤں گی

☆☆

O

کوئی دشمن، نہ ہے دلدار اپنا
یہاں کیا ہے دلِ بیمار اپنا
سڑک سونی، ہر اک گوشے میں فوجیں
پڑا ہے بند کاروبار اپنا
اڑے ہیں زاغ ہنسوں کے نگر میں
ہوا ہے داغ رُو گلزار اپنا
بھلے سے بھیس میں آیا ہے رہزن
چلانے کے لئے بیوپار اپنا
کہیں اغیار کی ہی بھیڑ میں ہو
کوئی مونس کوئی غمخوار اپنا
خفا پنچال، جہلم سرخ نالاں
محافظ ہے نہ ہے سردار اپنا

☆☆

○

وہ کرہء ارض زخمی کر رہے ہیں
لہو کے جابجا دھبے پڑے ہیں
کسی کے ظلم سے زِچ ہیں جواں اور
ردا بارود کی خود اوڑھتے ہیں
مسلسل ایک ہی تازہ خبر ہے
کئی خطوں میں شعلے . ناچتے ہیں
بسی ہیں وحشتیں خالی گھروں میں
اذیت خانے بھرتے جا رہے ہیں
چمن اجڑا ہے اور خواب آیا مجھ کو
صبا رقصاں ہے طائر بولتے ہیں
میں اور پھر وارث علوی کی کتابیں
دریچے ذہن کے کھلنے لگے ہیں

☆☆

○

جان کر ایسی کب میں ہوں جاناں
مجھ کو رب گڑھا ہے یوں جاناں
یہ نزاکت نہیں، یہ عادت ہے
ٹیڑھی چادر بچھی ہو کیوں جاناں
ہاں اگر کچھ مجھے پسند نہ ہو
تم کو سُنتا ہے جو کہوں جاناں
بحث کرنے کی کوششیں ہیں فضول
میں کہ اپنے میں گُم رہوں جاناں
بات الفت کی دوسری ہے مگر
تم اگر ہو تو میں بھی ہوں جاناں

O
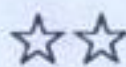
میں درد جاگتی ہوں زخم زخم سوتی ہوں
نہنگ جس کو نگل جائے ایسا موتی ہوں
وہ میری فکر کے روزن پہ کیل جڑتا ہے
میں آگہی کے تجسس کو خون روتی ہوں
مری دُعا میں نہیں معجزوں کی تاثیریں
نصیب کھوجنے والی میں کون ہوتی ہوں
شجر کو دیتی ہوں پانی تو آگ اگلتا ہے
میں فصل خار کی چننے کو پھول بوتی ہوں
فضا میں پھیل گیا ہے تری زبان کا زہر
میں سانس لینے کی دشواریوں پہ روتی ہوں

☆☆

O

یہ کیسا گھر ہے کہ جانے کو جی نہیں کرتا
یہ رسمیات نبھانے کو جی نہیں کرتا
عزیز ہیں مجھے تنہائیاں عزیزوں سے
فریب جان کے کھانے کو جی نہیں کرتا
وہ پتیوں میں چھپاتا ہے خار چن چن کر
یہ دستِ شوق بڑھانے کو جی نہیں کرتا
مزاج اپنا بدل کر مجاز جس کو کیا
اسے ہی اپنا بتانے کو جی نہیں کرتا
تمہارے جانے کی پرواہ کچھ نہ تھی لیکن
اکیلے زیست اٹھانے کو جی نہیں کرتا

☆☆

O

گزر رہے ہیں یہ دن خاک حسرتوں کی طرح
سیاہِ پست کی بے نام تربتوں کی طرح
نہ دشمنوں پہ بھی آئے فراق کا موسم
کوئی نہ دور کسی سے ہو سرحدوں کی طرح
تمہاری چپ سے نہ ہم پر سکوت چھا جائے
اندھیری رات کے ویران مقبروں کی طرح
کہیں خلوص پہ آئے نہ عشق کی تہمت
مرے حواس پہ چھاؤ نہ خوشبوؤں کی طرح
وہ ایک لفظ کا معنیٰ نہ جان پایا کبھی
میں جس کی سوچ کو سمجھی تھی معجزوں کی طرح
جو نم ہو آنکھ تو دیکھے گا غیر سا بن کر
جو روئے دل تو ہنسے گا وہ دوستوں کی طرح

☆☆

○

آہنی گر خول ہے تم پر تمہاری ذات کا
مجھ کو کیا کرنا ہے پھر رشتے کی اس سوغات کا
شام کی تم چائے تک پیتے نہیں ہو میرے ساتھ
پھر میں کیوں کھاؤں تمہارے ساتھ کھانا رات کا
جب شفق بردوش نکلا چاہتا ہو آفتاب
دیدنی ہوتا ہے رنگ اشجار پھول اور پات کا
عزم کے فقدان سے جو راستے میں رہ گئے
دیکھتے ہیں وہ تماشا دوسروں کی مات کا
خود کو تم حساس کہتے ہو پھر اتنی بے حسی
موم کا دل ہے تمہارا اور مرا کیا دھات کا

☆☆

○

ساتھ اُس کا، عذاب سے لمحے
روزِ محشر حساب سے لمحے
ظلم سہہ کر گناہ گار ہوئے
یہ ہمارے ثواب سے لمحے
ترے دولت کدے میں کٹتے ہیں
مرے خانہ خراب سے لمحے
'کیوں' سے آغازِ گفتگو اُن کا
اور ہمارے جواب سے لمحے
ساعتیں آگہی کی، تیرا کلام
آئتوں سے، کتاب سے لمحے

☆☆

○

روح سے خون رسے آنکھ سے پانی برسے
میں نے سوچا ہی نہ تھا جاتے ہیں بچے گھر سے

کب وہ مانوس صدا گونجے گی پھر چھت کے تلے
دل کے ویرانے میں برپا ہیں کئی محشر سے

شام کے سایوں کو میں دیکھوں جو برآمدے میں
مجھ کو آتی رہے بچوں کی صدا اندر سے

وہ نہ میری طرح بچوں کے لئے رو دے کہیں
اپنے ہونٹوں پہ سجاتی ہوں ہنسی اس ڈر سے

بھولے پن کا وہ تجسس، وہ لڑکپن کے سال
دل نے کھولے ہیں تری یاد کے سب دفتر سے

☆☆

○

بارُودی سرنگوں میں کیا زمین سلامت ہے
اپنے کوہ، وادی میں کچھ نہیں سلامت ہے
طمغے ملتے ہیں لمبی ہو جو موت کی فہرست
مرگ گہ کا ہر ناظم خود وہیں سلامت ہے
آبسے منافق سب، جنگلوں کی سرحد تک
ہم نے تو یہ سمجھا تھا، جاں یہیں سلامت ہے
اژدہے خلا میں سے مل کے آگ اگلیں گے
خاک گھر میں جب تک ایک اک مکیں سلامت ہے
نُچتے ہیں پرندوں کے پر، ہیں گردنیں چھلنی
کیوں کہ چشمِ صیادِ خشمگیں سلامت ہے
صبح کل صبا لے کر آئے گی دریچے میں
خوش گمان دل میں اب تک یقیں سلامت ہے

☆☆

○

ہم کو امید ہے دن بدل جائیں گے
آنے والے کٹھن پل بھی ٹل جائیں گے
نفرتیں سینچنے میں نہ الجھے رہو
پیار کے لوگ آگے نکل جائیں گے
اپنی جھیلوں کو تو ہم نے دلدل کیا
برف کے کوہ بھی کیا پگھل جائیں گے
آبسے غیر بن میں شجر کاٹ کر
روز وادی کے کچھ گھر بھی جل جائیں گے
بغض رکھنے پہ ہاں میں ملاتے ہیں ہاں
مطلبی یار ہیں تم کو چھل جائیں گے
کھیت میں پڑ گئی ہیں دراڑیں مگر
مینہہ برسے گا، ہم لے کے ہل جائیں گے

☆☆

O

مردِ دانا ہے اسے کب حرص کر پائی اسیر
بادشاہ اوروں کی خاطر، واسطے اپنے فقیر
ہوتے ہیں وہ لوگ صوفی،اولیاء درویش، پیر
جن کی نس نس میں ہو بس ایثار و الفت کا خمیر
لاشعوری بھی ہو لغزش، بخشتا کب ہے شعور
چھین لے گا چین دن کا، رات کی نیندیں ضمیر
تیرے دل میں درد تھا سب کے لئے میرے سوا
میں نے کیوں رانجھے سا چاہا تجھ کو جب میں تھی نہ ہیر
حفظِ ایماں زورِ زنداں، جایئے تو کس طرف
اک عجب گرداب میں الجھا ہے میرا کاشمیر

☆☆

O

راہ تکتے روشنی آنکھوں کی ہو مدھم نہیں
اس قدر مت دیر کر دینا، ملیں پھر ہم نہیں
عمر بھر ہاں میں ملائی ہاں، نہیں میں بھی نہیں
اب تری خاطر سرِ تسلیم ہوگا خم نہیں
کوئی دو لمحے کو آ بیٹھے تو محفل ہوگئی
ایک بھی اک سے زیادہ، بھیڑ ہے کچھ کم نہیں
میرے کمرے کی دِواروں میں فضا آزاد ہے
گھر کی وسعت میں کہیں گھٹ جائے میرا دم نہیں
اب تو ہم راہی دلِ مجروح میں اک عزم ہے
گو نہیں آنکھوں میں آنسو ہاتھ میں پرچم نہیں

☆☆

O

صبا لے کر چلی شبنم، نئے، نم، نرم موسم کی
سنائے بلبلوں نے گیت، ہر گل نے جبیں خم کی
خیالوں کے کسی مضراب نے چھیڑا رگِ جاں کو
کہ جیسے روح سے ہو کر گئی ہو راگنی غم کی
نہیں ہے یاس کی دھن پر سسکنے کی ذرا ہمت
نہ اب لا پائے گا دل تاب ایسے دردِ پیہم کی
جواب دل کو دکھاؤ گے تو راہیں موڑ لیں گے ہم
سمجھ لو اس کو تنبیہہ اور چاہے تو کہو دھمکی
ہوئی ہے شام سناٹا در آیا گھر میں، آجاؤ
وہ گرجے زور سے بادل، یہ بجلی تیز سی چمکی

☆☆

○

کبھی کچھ دن اگر بیکار دے گا
وہی رازق ہے کاروبار دے گا
میں اوروں سے بچا بھی لوں جو خود کو
مجھے میرا محافظ مار دے گا
تری دوری سہی یوں ماگھ پھاگن
تو ساون میں مجھے ملہار دے گا
وہ دے گا پھول سے ہاتھوں میں پتھر
وہ پھر مجرم بتا کر مار دے گا
ترا دامن میں گر پھولوں سے بھر دوں
تُو چن چن کر مجھی کو خار دے گا

☆☆

O

یہ درد آن بسا ہے کہاں سے سینے میں
نہیں ہے بات وہ پہلے سی، آج جینے میں

وہ جس کو ساتھ لیے پار مجھ کو جانا تھا
اُسی نے چھید کیا ہے مرے سفینے میں

ہیں اصل سے بھی زیادہ توقعات وہاں
وفا کہاں ہے قرابت کے اس خزینے میں

نہیں تھی گیارہ مہینے تمہارے آنے کی آس
امید جیسی ہے شے، ماگھ کے مہینے میں

بہار ایسی شگفتہ لگی خزاں ہم کو
سیاہ رات کٹی یاد کے دفینے میں

ہے بیضوی ترے رخ سا، ہر ایک اشک مرا
تری ہی شکل ہے آنسو کے آبگینے میں

☆☆

O

غلط کلام سے نس نس میں زہر گھولتا ہے
وہ خاک میں مرے موتی سے اشک رولتا ہے

زبان زہر اگلتی ہے خصلتاً اس کی
وگرنہ اپنی طرف سے وہ میٹھا بولتا ہے

پرانے عشق سے اب بھر گیا ہے دل اُس کا
کسی نئے کے لئے پر وہ اپنے تولتا ہے

جو اپنی ساری خطاؤں کو کہتا ہو الزام
نئے گنہ کے لئے راستے وہ کھولتا ہے

کسی بھی ایک کا ہوکر رہا جو ہو نہ کبھی
وہ ڈھلتی عمر میں در، درد کے ٹٹولتا ہے

☆☆

O
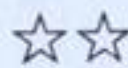
کھڑکیاں بند کس طرح رکھوں
رابطہ چاہیے درختوں سے
باغ سے مرے گھر کے آنگن تک
سلسلہ چاہیے درختوں سے
بام پر کردیا ہے پردہ سا
اور کیا چاہیے درختوں سے
سارے موسم نہ کیوں رہیں شاداب
معجزہ چاہیے درختوں سے
ریگزاروں کا گر سفر ہے طے
راستہ چاہیے درختوں سے
چھین کر لے گئے وہ چھت میری
آسرا چاہیے درختوں سے
آندھیوں میں حواس ہوں قائم
حوصلہ چاہیے درختوں سے ☆☆

○

گو کہ محفل میں سبھی لوگ تھے چیدہ چیدہ
مجھ سے معیار کسی کا نہ رہا پوشیدہ
ہم سے دیکھا نہ گیا چہرہ کوئی جس کے سبب
وہ کسی کی تھی فقط ایک نظر دزدیدہ
روح روتی ہے میری شب کی پناہوں کے لئے
بھیڑ میں دن کی، رہا کرتی ہوں کچھ رنجیدہ
جانتی ہوں میں تری نیچی نظر کے فتنے
اور یہ لوگ کہ کہتے ہیں تجھے سنجیدہ
جوڑ دوں سوچ کے ناطے سبھی افلاک سے میں
رات میں ہوتا ہے بیدار دلِ خوابیدہ

☆☆

○

کب سونامی سے چھپی تھیں بادباں کی رونقیں
بجلیاں کیا جانتی ہیں آشیاں کی رونقیں
دفعتاً اڑنے لگے تھے ریت کے جیسے پہاڑ
ریگزاروں نے نہ سوچیں کارواں کی رونقیں
ہم چلے جائیں گے اک دن موند کر آنکھیں وہی
جن سے پہچانی تھی برسوں اس جہاں کی رونقیں
کان جب سنتے تھے دادی ماں سے شہزادی کا ذکر
دیکھتی تھیں بند آنکھیں داستاں کی رونقیں
دور سے من موہتے ہیں چاند، تارے، کہکشاں
پاس جا کے کوئی دیکھے آسماں کی رونقیں

☆☆

O

ایسی اک رات ہمیں عمر سے پیاری ہوگی
تیرے شانوں پہ اگر زلف ہماری ہوگی
آگئی شام اداسی لیے کمرے میں مرے
جانتی ہوں کہ یہ شب اور بھی بھاری ہوگی
رت جگے دیکھ کے میرے کوئی کیا جانے بھلا
مجھ کو ہر شے سے کبھی نیند ہی پیاری ہوگی
جان و دل نام ترے لکھے گی، سن ہرجائی
وہ تری ہوگی تو پھر ساری کی ساری ہوگی
تجھ کو بے مول ملی، رول نہ مٹی میں اسے
اپنے ماں باپ کی کتنی وہ دلاری ہوگی
شام کی آخری بس کب کی وہاں سے گزری
اب بھی پیپل کے تلے ایک بیچاری ہوگی

☆☆

O

جان لینے پہ تُلے آن کو لے قبضے میں
ایسا انسان ہے، انسان کو لے قبضے میں
تیری آواز میں جادو تیرے لفظوں میں طلسم
سحر کرکے نہ دل و جان کو لے قبضے میں
غیر سے ربط ترا کر دے نہ گمراہ مجھے
اور وفا پر میرے ایمان کو لے قبضے میں
فخر سے میرا تعارف جو کراتا تھا کبھی
اب ہے کوشاں میری پہچان کو لے قبضے میں
اس کی لے پر تھرک اٹھے گی سماعت جو بھی
تال کو جذب کرے تان کو لے قبضے میں

☆☆

○

شب میں کھونے کو یہ مچلتی شام
دن کے غم میں بھی ہے پگھلتی شام
سر اٹھاؤں کتاب سے گاہے
اور دیکھوں یہ رنگ اگلتی شام
ہوگیا ہے بزرگ دن، تنہا
اس پہ تاریکیوں میں ڈھلتی شام
دن میں سمجھا لیا تھا دل کو مگر
ہم سے بالکل نہیں بہلتی شام
جا کے مغرب میں منہ چھپاتا دن
اور مشرق سے یہ نکلتی شام

☆☆

O

کیا کہیں کس طرح نبھاتے ہیں
اک ہنسی کو ترس سے جاتے ہیں
جن کی خلوت اداس ہوتی ہے
محفلوں میں وہ مسکراتے ہیں
فہم و دانش کا زور بھی نہ چلے
کتنے سرکش یہ دل کے ناطے ہیں
ان کو دیکھا نہیں ہے مدت سے
اور دل کے قریب پاتے ہیں
اس طرح وہ دراصل بگڑے ہیں
ہو خطا ان کی ہم مناتے ہیں

☆☆

O

زندگی بھر جو سکوں کے صرف، خواہشمند تھے
ہم خیال ان کے فقط دنیا میں شاید چند تھے
وہ قسم کھاتا تھا جھوٹی توڑتا تھا عہد بھی
بس وہ اک رسم وفا تھی جس کے ہم پابند تھے
اس قدر پانی بھرا تھا ہر گلی کے موڑ پر
گھر کو جتنے راستے جاتے تھے سارے بند تھے
میں نے بیٹی کی تمنا کی تھی ہر امید پر
اور جنم جن کو دیا وہ دونوں ہی فرزند تھے
تم نے اتنی تلخیاں سونپیں کہ چپ سی لگ گئی
سوچ بھی اچھی تھی ورنہ بول شیریں قند تھے

☆☆

O

خواب میں دیکھا نہ وہ ، نکلا جو تھا تعبیر میں
اور کچھ سوچا تھا ہم نے اور تھا تقدیر میں
خط میں لکھی تیری مجبوری سمجھ جاتا یہ دل
آنکھ بھر آئی کچھ ایسا تھا تری تحریر میں
یہ فصیلیں، باغ، اونچی کھڑکیاں، فانوس، فرش
اِک دریچہ ، در، نہیں میرا تری جاگیر میں
وہ سیاہ زلفیں، چمک آنکھوں کی، چہرے کا کنول
آج کی اک شے نہیں، پہلے کھینچی تصویر میں
اچھی لگتی ہے سماعت کو مگر مجھ کو نہیں
کچھ کشش سی ہے مرے زندان کی زنجیر میں

☆☆

○

نہیں حیران ہونے کی ضرورت کون کیسا ہے
کہاں طینت بدل سکتی ہے جو جیسا تھا ویسا ہے
مجھے مرغابیوں کے غول اڑتے اچھے لگتے ہیں
پرندوں پر میرا یہ غور عیاشی کے جیسا ہے
یہاں قربانیاں ممتا کی کوئی کیا بھلا سمجھے
کہ بچے جانتے ہیں کہ باپ ہی کے پاس پیسہ ہے
ذرا سا چھیڑنے پر کرچیوں، ریزوں میں بکھرے گا
میرا دل آج شیشے کی کسی ٹوٹی سی شے کا ہے
لٹاتی ہوں وفائیں تو طلب کرتا ہے سانسیں بھی
ازل سے ہی اس آدم زاد کا برتاؤ ایسا ہے

☆☆

○

طائروں سے ہوا سے ملتے ہی
روز بادِ صبا سے ملتے ہیں
جیسے محبوب پاس بیٹھا ہو
اس طرح ہم خدا سے ملتے ہیں
وہ ہے ہرجائی جانتے ہیں ہم
پھر بھی ساری وفا سے ملتے ہیں
اس نے پہنا ہے دوسرا چہرہ
ہم کے جیسے قضا سے ملتے ہیں
''نیند سے بہتر ہے جاگنا''، صبح
ہاتھ میرے دعا سے ملتے ہیں

☆☆

O

ایسی وحشت ہے چوپہر روئیں
خاک برسر کہ دربسر روئیں
رفتہ رفتہ بچھڑ گئیں سکھیاں
کس کے شانے پہ رکھ کے سر روئیں
چار سُو چل دیے ہیں چار مکیں
خالی خالی یہ بام و در روئیں
یہ تصنع، یہ وردیاں، یہ سلام
دفتروں سا ہوا ہے گھر، روئیں
شہر تحویل میں رہزن کی
لوگ حیراں اِدھر اُدھر روئیں

☆☆

O

توڑنا تھیں تم کو، قسمیں کھائیں کیوں
دل پہ اب تک غم کی ہے پرچھائی کیوں
میرے خوابوں سے بھی وہ لڑنے لگا
پوچھتا ہے نیند میں مسکائیں کیوں
جب ہوا کے سنگ اُڑ جانا ہی تھا
آسماں پر بدلیاں پھر چھائیں کیوں
اک طرح کی سوچ رکھتے ہیں سبھی
دوسرے کی بات میں تم آئیں کیوں
صبح دم، دل کو لگایا داؤ پر
ڈھل رہی ہے شام اب پچھتائیں کیوں

☆☆

متفرقات

O

وہ پاس رہ کے ہمیں اس قدر ستاتا ہے
تو دور جانے پہ کیوں ایسے یاد آتا ہے

جواز مانگتا ہے ذہن دل کی اک ہاں کا
معاملے ہیں بہت ناتواں سی اک جاں کے

بجز حسن کے تیرے پاس اور کیا ہے
وفا کوئی تجھ سے بھلا کیوں کرے گا

میرے خوابوں کا کیا ہے جس نے خوں
اس کے خوابوں کو خدا سچا کرے

نیند کی خاطر جلتی تھکی ہوئی آنکھوں سے
گرم آنسو برسائے ہیں راتوں کو ہم نے

کچھ غلط جب نہیں کیا ہم نے
ٹھیک کردے ہمارے مولا ہمیں

یہ اور بات ہے ہم دور تم سے ہیں کب سے
یہ اور بات ہے تم پاس پاس رہتے ہو

دل خود دار تو شکوہ بھی نہیں کرپایا
اور وہ اندازِ تخاطب تھا کہ جاں لے کے رہا

اس نے کھانے کو ہاں کردی
مل گئی ماں کو ساری جنت

کہاں کس طرح ہوگئی غلطی
یہی وقت خود احتسابی کا ہے

بہت کام کرنے ہیں دن میں مجھے
بحث مت کرو تھوڑا سونے بھی دو

نظر بالغ قلم منصف یہ تعمیری صحافت سے
تعمق قوم کی خاطر خدا کی بھی عبادت ہے

رنجشیں پالنا نہیں آتا
ہم محبت کے لوگ ہیں بھائی

ہے زخم زخم ترا شہر مل گئی ہے خبر
گھُل آئیں سرخیاں میری ندی کے پانی میں

—

میں تنہائی کو اک تقریب کی طرح سمجھتی تھی
کہ مجھ کو جان لیوا سا اکیلا پن ملا کب تھا

—

کسی شے کے قابل نہ خود کو بتایا
کہیں پائی جاتی ہے ایسی حلیمی

—

قلم اداس تھا، تحریر بین کرتی تھی
تمہاری آنکھ ہوئی نم، معاف کر دینا

—

یہ شامِ گرچہ لگتی ہے ہمیشہ روح پروری
تو سناٹا کہاں سے آٹھہرتا ہے مرے دل میں

—

میں سانپ کے ہی تصور سے کانپ جاتی تھی
وہ آستین میں مری تھا، مجھے خبر نہ ہوئی

—

مری حق تلفیوں کو گن رہا ہے
وہ مصنف ہے سبھی کچھ دیکھتا ہے

—

بلندی کا زینہ عاؤں پہ ہے
دعائیں نہ ہوں گی تو گر جائے گا

—

عمر پر ہم کو ترنّم، ناز ہے
رائیگاں اک دن نہیں جانے دیا

مری لغزش نہ دل پر لو
ہوئی غمگیں ہوش تھوڑی ہے

کوئی دوسرا گر غلط کر رہا ہے
اداس اپنے دل کو نہ تم ہونے دینا

اگر لکھا تھا اتنا کم سکوں میرے مقدر میں
تو مجھ میں بے سکونی جھیلنے کی بھی تو طاقت ہو

لیے خورشید کا پیغام چلی تھیں کرنیں
ہوگئی گھاس پر بیٹھی ہوئی شبنم، پانی

تم اپنے خواب نہ مجھ پر کرو مسلط یوں
وہ اور لوگ تھے الہام جن کو ہوتا تھا

زیادہ ہیں اگر چیزیں، نہ ضائع ہونے دو ان کو
کہ اک چھوڑی ہوئی شے، دوسرے کے کام آتی ہے

میں بس کر جنگلوں میں طائروں کو سن کے خوش ہوں گی
کہ انسانوں کی آوازیں مجھے اکثر ڈراتی ہیں

لگی رہتی ہیں در پر عمر بھر ماں باپ کی آنکھیں
نکل جاتے ہیں بچے اپنے خوابوں کے تعاقب میں

کوئی پردیس کیسے بھیجتا ہے
بنا بچوں کے مر جاؤں گی گھر میں

وہ کچھ ویزے کی باتیں کر رہے تھے
یہ بچے آگئے کس کے اثر میں

بے رحم سو بھی گئے، تلخ کلامی کر کے
سوچ حساس میری روئے گی کل صبح تلک

میں جھلاہٹ میں کہہ دوں گی کہ گھر سے دور بھاگوں گی
مگر دو دن ہو جانا، غم میں دو دو رات جاگوں گی

اک نظر نگراں ہے ہر شے کی طرف
ایک طاقت ہر جگہ موجود ہے

ایک کیا تھی زندگی بابل کے گھر
اک جنم کے قرض کا یہ سود ہے

مجھے رکھنا تناؤ میں، یونہی خود بھی جئے جانا
ذرا سی زندگی ہے، تم لڑائی ہی کیے جانا

بول نہیں یوں پیہو پیہو
چھیڑ نہ بلبل ہجر کا راگ

وہ ہے نگراں بیاض کی جانب
میری اسناد ہیں کرم خُردہ

کوئی نالاں ہے، عقل سے میری
میں ہوں ناداں سی بن کے افسردہ

چھڑکتا جان ہے جو اس پہ مرتی ہوں
میں شوہر سے مسلسل پیار کرتی ہوں

بند کواڑوں تک جا کر لوٹ آئی دل کی ہر دستک
جیسے چڑیاں کانچ سے ٹکرا کر گرنے سی لگتی ہیں

میرے بچے گھر میں رہ کر بھی اوجھل ہیں آنکھوں سے
آنکھوں میں پانی ہے اتنا جیسے آنکھیں پانی میں

نئی نئی ہریالی اوڑھے شرماتی ہیں
شامیں میرے گھر آنگن کی نازک نازک

حاسد آنکھیں، دل کے شیشے پر پتھر سی لگتی تھیں
تم نے اپنی سی نظروں سے دیکھا، ہوں ممنون تری

رقص سا کرتی جاتی پتوں میں یہ کرنیں
جوں مسکائے رہ رہ کر اک ننھا سا بچہ

سجاتی ہوں یہ سوچ کر روز گھر کو
کہ شاید ملے تجھ کو آنے کی فرصت

بدل ڈالا ہم نے بھی اب تھک کے، رستہ
تجھے بھی نہیں تھی نبھانے کی فرصت

کہیں جا کے روتے مگر کب ملے گی
وہ ، فرصت سے آنسو بہانے کی فرصت

شام ابھی چپ ہوجائے گی
اور اندھیرا بولے گا

میں بے رنگ چٹھی سی کب سے یہی سوچتی جارہی ہوں
یہ خط جو پہنچتے نہیں منزلوں پر، کہاں جاتے ہوں گے

سکھ کے نغمے ٹولیوں میں گاتے تھے جو، شام سے
کتنی مٹی کی تہوں میں سوگئے آرام سے
اور پیچھے رہنے والے ہوگئے بے نام سے

کس نے فرصت سے کیا بارود استعمال اِدھر
برف پر چھائی سیاہی پانیوں میں سرخیاں
مال و جاں لوٹا اڑائی آبرو کی دھجیاں

نعمتوں میں عظیم تر، شب ہے
خود سے ملنے کا وقت ملتا ہے

بنائی تھی عزت، مگر ہیں قبول
ترے نام سے ہم کو رسوائیاں

تری راہ تکتے گزر جائیں جو
بڑی پُرسکوں ہیں وہ تنہائیاں

یہاں ہیں اشاروں پر بھی بندشیں
جھلک اٹھی تھیں چھپتی پرچھائیاں

وہ جیئے سو برس دعا ہے میری
اس نے اپنا نہیں کہا تھا کبھی

کچھ انس ہو گیا ہے ہمیں مشکلوں کے ساتھ
کھلنے سی لگ پڑی ہے یہ خدشات کی کمی

خوش وقتی میں کام کی کوئی بات نہ کی تھی
اب نفرت کی آگ سے اک شاہکار لکھیں گے

دو مصرعوں کی طرح ساتھ چلے ہیں ہم
نثر کے جملے کی صورت، اک ہو نہ سکے

میں صبحیں اپنی بہلانے کو کوشاں رہتی تھی دن بھر
ترے دل کو بھی آتی ہوگی اکثر شام بہلانے

ابھی تھا شور چڑیوں کا
ابھی چپ ہوگئی ہے شام

شوقِ گفتار خموشی سے کرے کیسے نباہ
رابطے بند ہیں، دل کو بھی کہاں دل سے ہے راہ

کس گماں میں تم نے ہم کو پھول یہ کھلتے، دیے
تم چمکتی لو کی صورت اور ہم بجھتے دیے

خاک ہوجائیں گے تیری خاطر
دل تو کچھ بھی نہیں، سمجھ لینا

وہ ہمیشہ ہے ہر جگہ موجود
چاہے اس کو کہیں سمجھ لینا

دھول ہے ترے آستانے کی
اور میری جبیں سمجھ لینا

شخصیت میں ہی اک حلیمی ہے
ہم کو خائف نہیں سمجھ لینا

جان دیتے ہیں غم میں لوگ جہاں
ہم کو بھی تم وہیں سمجھ لینا

جن کی شیریں زباں زیادہ ہے
جیب میں میقراز رکھتے ہیں

آنکھ ملنے سے ہچکچاتے ہیں
کیا کوئی دل میں راز رکھتے ہیں

ڈال پر پالتے ہیں وہ چڑیاں
اور کمروں میں باز رکھتے ہیں

بے وفائی تمہیں مبارک ہو
گو کہ ہم بھی جواز رکھتے ہیں

بارشیں اتنی ہوئیں، رستہ ہی سارا بہہ گیا
جابجا کیچڑ کے نیچے اک نشاں سا رہ گیا

مسکرایا تھا وہ کہہ کر، اب جدا ہوتے ہیں ہم
اور کچھ سمجھی تھی میں، وہ اور ہی کچھ کہہ گیا

اک ذرا سی بات پر آنسو نکلتے رہتے تھے
دل کی یہ حالت ہے، ان کی بے رخی تک سہ گیا

کیسی لاپرواہی سے کپڑوں میں ڈھونڈے وہ جراب
اتنی محنت سے لگایا تھا جو میں نے تہ، گیا

سلیٹی آسماں پر قرمزی سا ابر رقصاں ہے
الگ غمزے سے ڈوبا آج سورج شام کی خاطر

ستمگر کی مدد کو دوڑتے ہیں وردیوں والے
انہیں انعام ملتا ہے، اسی کہرام کی خاطر

ہری چنری میں سلمے ٹانک، تیری راہ تکتی ہوں
پری ہو سبز جیسے، منتظر گلفام کی خاطر

وہ جس کی بے وفائی کا زمانے بھر میں چرچا ہے
ہوئے بدنام ہم بھی اک اسی بدنام کی خاطر

اب یہ آوارگی تج کر جو ہمارے ہو لو
ہم سنواریں گے ترے شوق کی ہر نوک پلک

ورنہ چل دیں گے تمہیں چھوڑ ہمیشہ کے لئے
اب کہیں جائے نہیں صبر کا پیمانہ چھلک

گاؤں کے گاؤں لیے جاتی تھی طغیانی بہا
اور برسانے پر تیار تھا پانی یہ فلک

دھیمے سے گاتا گلی سے وہ گزرتا تھا کبھی
ہم بھی لگ جاتے تھے چلمن سے کہ مل جائے جھلک

تم میرے سر کو یونہی زانوں پہ رکھے رہنا
آسماں سے جو چلا آئے مجھے لینے ملک

کوئی درد آشنا بن کہ چھل جائے گا
آستیں میں کبھی سانپ پل جائے گا

اژدہا ایک بیٹھا ہے، دم سادھ کے
سانس لے گا تو ہم کو نگل جائے گا

فیلِ بدمست سا، فرش و در توڑتا
خود تکبر کے شعلوں میں جائے گا

پے بہ پے وارسی، تیغ کی دھار سی
ضرب لفظوں کی ہے، دم نکل جائے گا

میں رنج سینت کے رکھتی ہوں دل کے طاقوں پر
مسرتوں کی حقیقت ہے مختصر کتنی

تمام درد مری دلبری پہ مائل ہیں
وگرنہ سامنے خستہ تھی رہ گزر کتنی

میں آج روئی ہوں، دو دن سے پل نہ سوئی ہوں
یہ دردمند عدو رکھتے ہیں خبر کتنی

تجھے، رب، دل کی باتیں کہنا چاہوں
تری طرح اکیلا رہنا چاہوں

ہے تنہائی میں طاقت آسمانی
میں سارے وار خود پر سہنا چاہوں

تماشا ہے کناروں کی یہ بندش
کہ بے قابو ندی سی بہنا چاہوں

وہ ہو کر روبہ صحت گھورتا ہے
برے کو تم نے اچھا کر دیا ہے

میں باز آجاتی یک طرفہ وفا سے
مجھے تو نے خدا کیسا گڑھا ہے

نہ آگ اگلو خفا سورج کی صورت
زمیں کے بیچ لاوا پک رہا ہے

اُسے کچھ بھی نظر آتا نہیں ہے
اسے لالچ نے اندھا کردیا ہے

تم تصور کے افق پر چاند سے ہو لو طلوع
میں چکوری بن کے ساری شب گزاروں خواب میں

سن کے اندھیرے کی آہٹ
دھوپ پیلی پڑ گئی

☆☆

(ناول کے تعلق سے)

☆ عابد سہیل

''برف آشنا پرندے'' ایک مشکل، جرأت مندانہ اور دو قطبی ناول ہے اور بظاہر آسان۔

''برف آشنا پرندے''، ایک مشکل اور جرأت مندانہ ناول ہے۔ پامال نظریے، جارگن اور نئی نئی اصطلاحات اس کے پٹ نہیں کھول سکیں گی۔ خوبصورت زبان میں لکھا گیا یہ ناول بے حد کھردرا، حقیقت پسندانہ اور Challenges سے بھرا ہوا ہے۔

ترنم ریاض نے کوئی بات جلدی میں ایک ہی جگہ انڈیل نہیں دی ہے۔ چھوٹے چھوٹے Strokes لگائے ہیں، اشاروں میں بات کی ہے، کنایہ کا سہارا لیا ہے۔ مصنفہ نے نازک باتیں بلکہ سخت باتیں بھی نازک انداز میں بیان کی ہیں۔

انھوں نے تلخ حقائق اور شیریں یادیں بیان اور بیانیے کے ذریعے قاری تک اس طرح پہنچائی ہیں کہ وہ کہیں براہِ راست یادداشت کا حصّہ بن جاتی ہیں اور کہیں ناول کی تفہیم میں تحت الشعور سے اثر انداز ہوتی ہیں۔

''برف آشنا پرندے'' کی خالق ترنم ریاض بھی کشمیر کی بیٹی ہیں۔ وہ ایک روشن دماغ اور نامور مصنفہ ہیں تاہم ناول پڑھتے ہوئے یہ دھڑ کا ہر وقت لگا رہتا ہے کہ کشمیر سے تعلق خاطر کے سبب ان کے اور شیبا کے درمیانی فاصلے کہیں معدوم نہ ہو جائیں۔ اس کی رغبتیں بہت ہیں لیکن انھوں نے انتہائی ثابت قدمی کا ثبوت دیتے ہوئے شیبا کو شیبا ہی رہنے دیا ہے۔

☆ سیّد محمد اشرف

ناول ''برف آشنا پرندے'' اپنے تھیم' پلاٹ' کرداروں' مکالمات' پرندوں' نباتات' مقامات اور مختلف جذبوں کی کیفیات کے باوصف ایک آبی رنگوں کی بڑی تصویر کی بڑی سی تصویر کی طرح نظر آتا ہے جس میں طلوع ہوتے اور غروب ہوتے سورج کی کرنوں نے اس طرح آگ سی لگا رکھی ہے کہ بعض حصے دھوپ کے ٹکڑوں کی طرح روشن نظر آتے ہیں اور کچھ حصے رخصت ہوتی روشنی کے ساتھ اتنے دھندلے ہوجاتے ہیں کہ پس منظر کا حصہ لگنے لگتے ہیں۔ اردو کے قاری کو بہت دنوں سے کسی بڑے ناول کا انتظار تھا۔ ہم عصر جواں سال ادیبوں کے ناولوں میں شاید ہی کوئی ایسا ناول ہو جو اس ناول کو آئینہ دکھا سکے۔

☆ ڈاکٹر انور سدید لاہور

ترنم ریاض الفاظ کی موسیقی سے زمین حقیقت کی گرہیں کھولتی چلی جاتی ہیں اور اکثر مقامات پر خوشی، غم کے فرغل میں لپٹی محسوس ہوتی ہے۔ ترنم ریاض کے اظہار کی وسعتیں بیکراں ہیں۔۔۔

☆ پروفیسر قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی

ترنم ریاض کا تازہ ترین ناول ''برف آشنا پرندے'' اپنے زمانی و مکانی تناظر کی حد تک خطہ کشمیر کے لازوال حسن' اس کی زخم خوردہ روح' قوت تحمل' ماضی کی خوابیدہ گزرگاہوں اور حال میں زندگی کے افق پر نئی تاب و تپش اور معنویت پر مبنی ایک کبھی نہ ختم ہونے والی کہانی ہے۔ ناول کا نام بظاہر اپنی ایک علامتی رمزیت کے باوجود

معاشرتی حقیقت نگاری کے واضح میلان کا نمائندہ اور پریم چند کی قائم کردہ فکشن کی روایت کی ایک توسیع شدہ نئی حسیت اور شعور و آگہی کا حامل تخلیقی تجربہ ہونے کے سبب اپنی جانب خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرتا ہے۔ بیسویں صدی کی ساتویں اور آٹھویں دہائی میں جن فنکاروں کے ذریعہ مذکورہ روایت کو اردو فکشن میں اعتبار اور وقار حاصل ہوا۔ ان میں ترنم ریاض کے ساتھ سید محمد اشرف کا نام خصوصیت کے ساتھ شامل ہے۔

☆ پروفیسر قدوس جاوید

ترنم ریاض کا ناول ''برف آشنا پرندے'' کشمیری ثقافت کا رزمیہ ہے۔ گردشِ ایام کے ہاتھوں امن و آشتی کی علامت، منفرد اور ہمہ جہت کشمیری ثقافت کی شکست وریخت کی گم گشتہ صداؤں اور اہلِ کشمیر کے خوابوں اور آرزوؤں کے زخم خوردہ پرندے کن بانجھ فضاؤں میں گم ہو رہے ہیں؟ اور کیوں؟ یہی وہ زندہ اور متحرک سوال ہے جس کی بنیاد پر ترنم ریاض نے کشمیر کی اساطیری روایات، اور ارضی استعارات کی مدد سے اس ناول کے پلاٹ کی تعمیر کی ہے۔

(کچھ کہانیوں کی باتیں)

☆ نیّر مسعود

ترنم ریاض نے اچھے موضوعات کا انتخاب اور لکھنے کے لیے مناسب اسلوب اختیار کیا ہے۔ افسوس کے یہ بنیادی اور بہت ضروری صفت ہمارے یہاں سے ناپید از ہوتی جارہی ہے۔

☆ بلراج کومل

ترنّم ریاض کے افسانوں کے موضوعات، اسلوب اور اظہار کی غیر رسمی تازگی اور سادگی، اور تشکیلی قدرت ان کے فن کے قابلِ ذکر خصائص میں سے چند ایک خصائص ہیں۔

☆ طارق چھتاری

ترنّم ریاض ہمارے عہد کی اہم ادیبہ ہیں۔ انہوں نے اپنے تخلیقات میں انسانی رشتوں کی پاکیزگی اور دلی، جذبات کے تقدس کو نہایت پُر اثر اور با معنیٰ انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ شاعرہ بھی ہیں، اور افسانہ نگار بھی اور ہمدردی کے ساتھ مسائل پر غور وفکر کرنے والی حساس دل انسان بھی۔ شاعرانہ طرزِ بیاں، قصہ گوئی کی نزاکتوں کا ادراک اور کامیابی اور ناکامی، خوشی و غم، اور شکست و فتح کے سمندر میں ڈوبتے کرداروں کی نفسیات اوران کے احساسات کی عکاسی جیسے عناصر مصنفہ کی ہنرمندی، فنکاری، اور انسان دوستی کے آئنہ دار ہیں۔ ترنّم ریاض کی انفرادیت یہ ہے کہ ان کے افسانوں کے بیشتر کردار، واقعات اور مناظر سب سے پہلے قاری کے دل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ پھر فہم ودانش سے لبریز ہو جانے والے دل سے پھوٹتی شعائیں اس کے ذہن کو بھی منور کر دیتی ہیں اور خود کو افسانے کا ایک کردار سمجھ کر افسانہ نگار تخلیقی عمل میں شریک ہو جاتا ہے۔ یہ فن کی معراج ہے۔ اس کسوٹی پر ترنّم ریاض کے افسانے پورے اترتے ہیں۔

☆ انور قمر

یوں تو افسانے کا بنیادی اسلوب مروّجہ ہے مگر بعض مقامات پر افسانہ ''کشتی'' اشاراتی اور بالکل آخر کی چند سطروں میں رمزیاتی اسلوب میں لکھے جانے کے سبب

دوہرا لطف دیتا ہے۔

افسانے میں متضاد واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ اس بنا پر کرداروں کے متضاد رویے سامنے آتے ہیں۔ مصنفہ کے اس فنی ترکیب کو شعوری یا غیر شعوری طور پر برتنے سے افسانے میں گھٹاؤ اور پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے جو تنقید کے نقطۂ نظر سے ایک اہم خوبی سمجھی جاتی ہے۔

مصنفہ کا مدعا ہے کہ ہماری زندگی مساعد و نامساعد حالات اور سرد و گرم کیفیات سے پُر ہے، جس کے متعینہ عوامل کے پیدا کردہ نتائج پر ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ غالباً اس مناسبت سے افسانے کا عنوان ''کشتی'' رکھا گیا ہے، جسے تصور کی آنکھ سے سمندر کی لہروں پر ہچکولے کھاتے دیکھ کر ہم افسانہ نگار کی بات پر صاد کر سکتے ہیں۔

ترنّم ریاض نے بڑی صفائی اور آراستگی سے سیاسی معاشرتی اور اقتصادی عناصر کی کارسازی اور کارفرمائی کے پس منظر میں واقعات پیش کیے ہیں اور زین العابدین کے تاریخی واقعے کو بیان فرما کر ایک اہم فلسفیانہ نکتے کی جانب توجہ دلائی ہے کہ تاریخ کے دھارے پر روک لگانے یا اس میں پھیر بدل کرنے سے گلابہ اور جوہڑ وجود میں آجاتے ہیں!

افسانے کے مرکزی کردار دلّو کی کردار نگاری حقیقی خطوط پر کی گئی ہے۔ اس کے سراپا کے بیان میں بھی خطے کی اقدار اور رسم کا خیال رکھا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس کے لباس کے آرائشِ زیور کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے کہ دلّو کے اپنے خاندان کی روایت اور ضابطوں کی پابند ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ افسانہ ''میرا کے شام'' عنفوانِ شباب کو پہنچے۔ بچّوں کی پیچیدہ نفسیاتی کیفیتوں کو سمجھنے اور سمجھانے کے موضوع پر لکھا گیا غالباً پہلا اُردو افسانہ ہے۔ افسانہ نگار کا فنی کمال یہ ہے کہ اُس نے افسانے کو ''کیس'' بنانے سے پہلے ہی ختم کردیا۔ اِس کامیاب افسانے پر تخلیق کار تہنیت کا مستحق ہے۔

☆ سیّد محمد عقیل رضوی

بھئی کیا کہانی لکھ دی ''شہر'' واہ واہ! شاید اُردو میں یہ پہلی کہانی ہے جو مہانگری نما شہروں سے متعلق ہے۔ مبارک ہو۔

☆ پروفیسر شہاب عنایت ملک، صدر شعبہء اردو، جموں یونیورسٹی

بحیثیت شاعرہ ترنم ریاض اپنی بات کو منفرد انداز میں کہنے کا ہنر بخوبی جانتی ہیں۔ ان کی نظمیں تسلسل اور منظر نگاری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ مختلف موضوعات پر لکھی گئیں ان کی نظمیں اور غزلیں قاری کے دل پر جمالیاتی کیفیت طاری کر دیتی ہیں۔ ترنم ریاض کی شاعری انسانی ہمدردیوں سے معمور ہونے کے علاوہ محبت اور امن کا پیغام بھی دیتی ہے۔ ترنم ریاض نے اپنی شاعری میں دانش ورانہ تجربات و افکار کو جمالیاتی اور فنی خوبیوں کے ساتھ پیش کیا ہے بقول پروفیسر انور پاشا۔

> ''ترنم ریاض کی تحریریں ایک انفرادی شناخت رکھتی ہیں
> ان کی فکشن ہو یا ان کی شعری تخلیقات عصری معاشرے کے جیتے
> جاگتے مسائل کی ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ بالخصوص
> تانیثیت کے حوالے سے قارئین پر ایک مثبت اثر رکھتی ہیں''

جہاں تک ترنم ریاض کی افسانہ نگاری کا تعلق ہے اُنہوں نے اُردو دنیا کو چار بہترین افسانوی مجموعے دیے۔ مرار خت سفر ترنم ریاض کا وہ افسانوی مجموعہ ہے جسے اُردو دنیا نے بے حد سراہا۔ اسی مجموعہ پر ابھی حال ہی میں ریاستی کلچرل اکیڈمی نے بہترین کتاب BEST BOOK کے اعزاز سے نوازنے کا اعلان بھی کیا ہے۔ اسے دلی اردو اکادمی نے بھی انعام کے لئے منتخب کیا ہے۔ اُن کے دوسرے افسانوی مجموعوں پر بھی ملک کے کئی سرکاری اور غیر سرکاری اداروں نے انہیں اعزازات و

انعامات سے بھی نوازا ہے۔

☆ محبوب الرحمان فاروقی

ترنم ریاض بہت دِنوں سے کہانیاں لکھ رہی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کم لکھتی ہیں، کم شائع ہوتی ہیں، لیکن حال ہی میں ''آجکل'' میں شائع ان کی کہانی پر عابد سہیل جیسے پختہ افسانوں کے نقاّد بھی جھوم اُٹھے اور انھیں اُردو کے نئے افسانہ نگاروں میں صفِ اوّل میں شمار کرنے لگے تو یہ صرف ان کی خوبصورت تحریر کا روشن پہلو ہے۔ (۱۹۹۸ء)

☆ افتخار امام صدّیقی

ترنم ریاض! اپنے ہر افسانے کو کہانی بنا دیتی ہیں جو ہونٹوں ہونٹ سفر کرتی ہے۔ کردار نگاری، منظر نامہ، مکالمہ کاری، سب کچھ، تخلیقی بیانیہ میں اس طرح سمو دیتی ہیں کہ قاری سامع، ناقد، متحیر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتے۔ وہ اپنے ہر ساختیہ کو ترقی پسندی جدیدیت اور مابعد جدیدیت سے پرے رکھتی ہیں اور ہر ممکنہ مستقبل کو جی لینے کی کاوش کرتی ہیں۔ نثر میں شاعری جگانا آسان نہیں ہے، وہ اپنے اس منفرد ہنر میں اس لیے کامیاب ہو جاتی ہیں کہ 'شاعرہ' بھی ہیں۔ ان کا ہر دلچسپ وقوعہ، سنجیدگی کی سربراہی میں نقاّدوں کے قلم پر دستک دیتا ہے کہ افسانے کی تنقید، اگر لکھنی ہے تو مجھے پڑھو لکھو اور سمجھو۔

☆☆

مری وادی سے کچھ آراء

ترنم ریاض کے افسانے تخلیقیت کے رنگ

پروفیسر حامدی کاشمیری

۔۔۔فنی نکتہ ءنظر سے ان (ترنّم ریاض) کے افسانوں میں متکلم (متکلمہ، مشاہد) محض بیانیہ کا کردار ادا نہیں کرتا بلکہ افسانوی تجربے کا ایک جزو لاینفک بن جاتا ہے، وہ ترنم کی افسانوی دنیا میں صرف کرداروں کے رول پر نظر نہیں رکھتا بلکہ افسانوی تجربے کا ایک حساس، فعال اور supportive کردار بن جاتا ہے، وہ عمل، ردِعمل، مشاہدہ، فکر، کرداروں سے ان کی ارتباطیت، درد وغم، ثقافت اور معاشرت کی جملہ جذبات کی بازدید کا سامان کرتا ہے۔۔

پروفیسر مجید مضمر کشمیر یونیورسٹی سرینگر

(گوشۂ ترنّم ریاض)

۱۹۸۰ء کے آس پاس کا زمانہ تھا۔ سرینگر میں بعض حضرات کی سرپرستی میں چھوٹی موٹی ادبی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ ان میں نئی نسل کے ادیب اور شاعر بھی شریک ہوتے تھے جن کی تعداد پھر گھٹتے گھٹتے اتنی رہی کہ انہیں انگلیوں پر بھی گننا

ضروری نہیں رہا۔ ان ہی محفلوں میں ایک نام تھا ، ترنم.

پھر یہ محفلیں جانے کیا ہوئیں۔ وقت گزرتا گیا۔ اس دوران جہلم میں بہت پانی بہا اور اس کے ساتھ اور بھی بہت کچھ۔ برسوں بعد اردو کے ادبی رسائل میں ایک نام نے چونکا دیا۔ یہ نام بہت جلد مقبول ہوا' ادبی حلقوں میں زیر بحث رہا۔ پھر شاعری اور افسانوں کے مجموعے شائع ہوئے۔ ناول چھپا' تنقیدی مضامین منظر عام پر آئے اور پھر معلوم ہوا کہ جو ترنم ریاض آج اردو کے اکابرین سے اپنے فن کا لوہا منوا چکی ہیں وہی فریدہ ترنم ہیں جنہوں نے اپنا ادبی سفر اَسّی کی دہائی میں چھوٹے ادبی حلقوں میں اپنی شرکت سے شروع کیا تھا۔ ہم میں سے کئی تھک ہار کر بیٹھ گئے تھے لیکن ترنم ریاض مرحلہ شوق طے کرتی رہیں' یہ جان کر کہ

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے

ترنم ریاض اس وقت اردو شاعری خصوصاً اردو فکشن کا ایک معروف اور معتبر نام ہے۔ اردو دنیا میں ان کی شہرت اور مقبولیت ہمارے لیے باعث افتخار و انبساط ہے اس لیے کہ ریاست کے اردو شاعروں اور ادیبوں کو بچشم کم دیکھنے کا رویہ اردو دنیا میں عام رہا ہے اور حکیم منظور کے اس مصرعے میں یہاں کا شاعر یہاں کا ادیب یہ شکوہ کرتا رہا ہے کہ

لہو میں ہیں اخروٹ میرے' موسم کی سازشوں سے

یہ صحیح ہے کہ ترنم ریاض کا افسانوی فن اس وقت پروان چڑھا جب وہ وادی سے باہر رہیں۔ میدانی علاقوں کی وسعتیں' سمندر کی گہرائی' برگد کی جٹاؤں کا مراقبہ' آموں کا رس اور پپیہوں کی پیہو پیہو ________ یہ سب ترنم ریاض کے فن میں جھلکتا ہے لیکن ان کے داخلی تجربوں کے سرچشموں کا بنیادی تعلق کشمیر کی سیب نکہتوں سے ہے۔ کشمیر کی ثقافت ان کی ایسی تخلیقات میں بھی زیریں لہر (Under Current) کی صورت میں نظر آتی ہے جو بظاہر اس سرزمین کے پس منظر میں نہیں ہیں۔ سامنے کی مثال ان کا ڈکشن ہے اور اس بارے میں یہ دعویٰ بے جا نہیں کہ اردو فکشن ان کے فن کی

بدولت بالکل تازہ اور اچھوتی لفظیات اور نامانوس مگر شیریں اور مترنم لہجے سے آشنا ہوا ہے۔

ترنم ریاض کی اب تک درجن بھر کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں بعض ترجموں کے علاوہ پرانی کتابوں کی خوشبو (شاعری) یہ تنگ زمین (افسانے) ابابیلیں لوٹ آئیں گی (افسانے) یمبر زل (افسانے) مرارخت سفر (افسانے) مورتی (ناول) برف آشنا پرندے (ناول) فریب خطہ گل (چار ناویلا) چشم نقش قدم (تنقید) بیسویں صدی میں خواتین کا اردو ادب (تحقیق) شامل ہیں۔علاوہ ازیں اردو دنیا کے مقتدر اور معیاری اردو رسائل میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔ بعض تخلیقات معیاری انتھالوجیز میں شامل ہیں' بعض کا ترجمہ دوسری زبانوں میں ہو چکا ہے۔مختلف اداروں کی جانب سے ان کی کتابوں کے لیے انہیں اعزازات ملے ہیں۔حال ہی میں جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی کی جانب سے ان کے افسانوی مجموعے، 'میرا رختِ سفر' کو سال کی بہترین اردو کتاب قرار دیا گیا ہے۔ہم اس کے لیے محترمہ ترنم ریاض کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔'بازیافت' میں ان کے فن سے متعلق یہ چھوٹا سا گوشہ دراصل کشمیر کی ایک جینوین' معتبر اور ذہین فنکار کی تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف ہے۔

ترنّم کی شاعری، ترتیب، تہذیب اور تحفظ کی آواز

پروفیسر شفیع شوق

۔۔۔ترنّم نے کسی بند، محدود اور سکڑے دائرے میں واضح کیے گئے دستور العمل کی غلامی اختیار نہیں کی۔ان کی شاعری میں کہیں بھی آئے دن بدلتے تنقیدی نظریات کا اثر نظر نہیں آتا۔ان کا اپنا منفرد اندازِ بیان ہے، الگ رنگِ سخن ہے جو کسی اور سے مماثل نہیں ہے۔ان کے اپنے مشاہدات، احساسات اور تجربات کی ترجمانی میں مطالعے سے محصول متون کا عمل دخل بھی نہیں۔برِ صغیر کے نہایت دلسوز اور مہیب سیاسی

منظرنامے کی بات ہو یا ملک، بیرون ملک، قوم کے تئیں نفرت اور تعصبات کے شعلوں میں جھلستی معصومیت پر اپنے مادرانہ ردِ عمل کا اظہار، ترنم نے کسی طے شدہ گروہی مقصد کو پورا کرنے کے لئے قلم نہیں اٹھایا۔۔

پروفیسر شاد رمضان

'وجودیت'

ہم عصر شعری رویّے کی ایک نمایندہ نظم،

۔۔۔نظم میں استعمال ہونے والی علامتیں اپنے اندر ایک تاریخ اور داستان لئے ہوئے ہیں۔ دشت، بیابان، بے رنگ سوکھی بیل، کھنڈر، پاتال سے نکلی ہوئی اجڑی تہذیب، یا ٹوٹا ہوا کتبہ یا کسی تربت کا اک بے نام پتھر، جیسی علامتیں، شاعر کی اندرونی صورتِ حال کے آئینے ہیں جو کہ اصل میں موجودہ دور میں فرد کی بے بسی کے استعارے ہیں، جہاں ترنم ریاض نے گمشدہ شے کی علامت استعمال کر کے نفی میں اثبات کا پہلو تلاش کرنے کی کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ترنم ریاض کو نہ صرف زبان پر عبور ہے بلکہ وہ الفاظ کے لسانی، ثقافتی، تہذیبی اور تاریخی پس منظر اور در و بست سے پوری طرح واقف ہیں۔ اس اعتبار سے بھی زیرِ نظر نظم ہم عصر شعری رویّے کی نمایندہ نظم ہے جسے شاعر نے پُر اسرار اور متحرک پیکروں سے آراستہ کیا ہے۔

ترنّم ریاض کا ایک شعر۔ پروفیسر بشر بشیر

چیزِ دِگر

'میں نے رخسار چھو لیا اپنا۔ تیرے ہاتھوں کی آ گئی خوشبو'

۔۔۔اس ساری بحث کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شعر میں موجودہ

الفاظ اپنے مصداقی معانی سے آزاد اپنا الگ احساساتی علاقہ قائم کرتے ہیں اور شعر میں جس چیز کو خوشبو کا نام یا گیا ہے، وہ دراصل کسی پرانی یاد کا عصری لمس پانے کا نتیجہ ہے، یہی خیال ترنم کی ایک غزل کے شعر میں یوں بیان ہوا ہے

بھگونے کو مری آنکھیں ہوا پھر
ترے ہاتھوں کی خوشبو لا رہی ہے

ترنم ریاض وادیءِ کشمیر سے تعلق رکھنے والی ایسی خاتون تخلیق کار ہے جس کی نثری اور شعری تخلیقات اپنی تاریخی اور عصری آگہی کی بنا پر وسیع تر ادبی حلقوں میں خاصی توجہ حاصل کر چکی ہے۔ بحیثیتِ فکشن نگار ترنم ریاض اردو کے ممتاز ناقدین سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ ان کے کئی ناول اور افسانوی مجموعے اب تک شائع ہو چکے ہیں جنہیں پڑھ کر ادب اور تنقید سے وابستہ معتبر دانشور حضرات ان کے متعلق اپنی واضح رائے قائم کر چکے ہیں۔۔

پروفیسر محمد زمان آزردہ

ترنّم ریاض کی شخصیت، ایک تاثر

۔۔۔ میں نے جہاں بھی ان (ترنم) کو سنا ہے، چاہے دلی ہو یا اگرتلہ، بھوپال ہو یا گوا، ممبئی ہو یا کوئی اور شہر، میں نے دیکھا ہے کہ وہاں کے مقامی لوگ ان کو بڑی توجہ سے سنتے رہے ہیں۔ ترنم نے کئی ملکوں کا سفر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ کتابوں سے ملنے والی اطلاعات کے علاوہ بہت کچھ بچشمِ خود دیکھا ہے اور اس طرح ان کے ذہن میں بیک وقت کئی تہذیبوں کے قمقمے ایک ساتھ روشن ہیں۔۔

پروفیسر عزیز حاجنی

ترنّم ریاض، شخصیت کے رنگ

ترنّم ریاض ریاستِ جموں و کشمیر کی ایک نمایندہ شخصیت ہیں۔ ترنّم جب اردو میں بات کرتی ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ان کی مادری زبان اردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں ہو سکتی لیکن جب بھی وہ کشمیری زبان کا استعمال کرتی ہیں سننے والا ششدر رہ جاتا ہے کہ اتنی سلیس، صاف اور شستہ کشمیری اور ترنم کی زبان سے؟

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ترنّم نے اردو ادبی دنیا میں ایک ایسا مقام پایا ہے جو بہت کم لوگوں کو میسّر ہوتا ہے۔ برِ صغیر ہند و پاک کی اصل شاعری یا فکشن پر کوئی بھی سیمینار یا کانفرنس ہو، ترنّم کا ذکر ضرور آتا ہے۔۔۔

پیارے ہتاش

اردو ناول، 'برف آشنا پرندے'

۔۔۔ناول کے صفحات پر اس وقت ایک الگ نکھار آتا ہے جب ان پر صوفی بزرگ شیخ نورالدین نورانیؒ کے شرکوں، (شلوک)، کو زیرِ قلم لایا ہے اور صوفی شاعرہ لل عارفہ (لل دید) کے مشہور واکھوں کا بھی اندراج ملتا ہے۔ وہیں سنت کبیر کے دو، وں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ ان سب سے ناول نگار کی وسیع معلومات اور مطالعہ کی ترجمانی ہوتی ہے کیوں کہ ناول نگار نے جہاں ستی سر، کلہن پنڈت، راج ترنگنی، نیل مت پُران، دیوی درگا ماتا کا ذکرِ خیر کیا ہے، وہیں دریائے جہلم، وتستا، کشیپ رشی، ناگوں، دریائے راوی، بیاس، ستلج، گنگا، جمنا، سرسوتی، ڈل، ولر، مہا پدم، شہر سرینگر، پرور پورہ، پرہاس پورہ، بودھ بھکشوؤں کا وتستا وادی سے کشمیر میں داخل ہونا جیسی چیزوں کو مناسب جگہوں پر زیرِ بحث لایا ہے۔ ناول نگار نے اپنے وسیع انگریزی ادب کے مطالعے کے زیرِ اثر، اوتھیلو اور ایمیلیا جیسے کرداروں کا بھی ذکر کیا ہے۔۔۔

ترنّم ریاض

اسماء شاہ مدیرہ، آتش

(ترنّم ریاض سپیشل نمبر)

۔۔۔ترنم ریاض کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شاعری، افسانہ نگاری اور ناول نگاری میں بہت اہم کام کر رہی ہیں۔ یہ وہ خاتون لکھنے والی ہیں جو ملکی و بین الاقوامی سطح پر اپنی اہمیت منوا چکی ہیں۔ ان کا ایک ناول 'برف آشنا پرندے' ایک اونچے درجے کا ناول گردانا گیا ہے اور اس پر دنیا کے مشہور و معروف مصنفین و ناقدین نے مضامین لکھے ہیں۔۔۔

میر بشیر احمد

ترنّم ریاض کی شاعری کے حوالے سے

۔۔۔ایک طرف ترنم اپنی روایات کا رنگ نہیں چھوڑ رہیں اور اس خوشبو سے مالا مال ہیں اور دوسرا یہ کہ زمانے کا کرب انہیں بہت ستا رہا ہے۔ انہیں دشمنوں کی فکر بھی ہے اور سرحدوں کی بھی۔ نظموں میں جو عکس ابھرتے ہیں، وہ آفاقی ہیں اور اکثر نظموں میں انسانی کرب کو موضوع بنایا گیا ہے۔ تخلیقی زبان سے لطف اٹھایا جا سکتا ہے اور نئی تراکیب اور اسالیب سے ترنم واقف کراتی نظر آتی ہیں۔ انتہائی سادگی اور اختصار کے ساتھ ایک فنی معجزہ تیار کرنا ترنم کی عظمت ہے۔۔۔

وحید بانڈے

ترنّم ریاض کی کہانیاں

۔۔۔اتفاق سے میرے ہاتھ ترنّم ریاض کی کتاب، فریبِ خطہء گل، لگ گئی۔ چار کہانیوں پر مشتمل یہ کتاب میرے مطالعے کا محور اور مرکز بن کر ابھری۔ کشمیر آج کل ایک المناک اور اندوہناک دور سے گزر رہا ہے۔ ٹیلی وژن پر سرینگر سے متعلق حادثات، واقعات اور دردناک حالات کی گونج نے ہر شخص کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا ہے، لیکن 'فریبِ خطہء گل' کا مطالعہ اتنا absorbing ثابت ہوا کہ مجھے اپنے

گردوپیش سے بے نیاز کر کے چھوڑا اور دلچسپی ایک تسلسل اوّل سے آخر تک قائم رہا۔ میرے نزدیک یہ تحریر کے شاندار ہونے کی علامت ہے۔۔۔

ترنّم ریاض میانہِ نظرمنز

شوکت انصاری

۔۔۔ترنّم ریاض سنز مدبرانہ، مفکرانہ، تہٕ عاٗلمانہ ترائے گرائے وچھتھ پیوس بہ فکرن تہٕ دائرٕوم یہ گتھ پانہٕ سےٕ اتھ زیہ کورِہن گوڈِ آسنز ضوٗورکانہہ بہلہِ پایہٕ قلم کار۔ مےٕ اوس نہ یہ خبر زِ یم چھِ گھر نظر تھاون واجنی اکھ انشاپرداز تہٕ نثر نگار۔ یہنز کتاب، 'فریبِ خطہٕ گل' پرِتھ آیہ مےٕ ترنم ریاض سنز اصل شبیہہ برونہہ کُن۔ مے چھئنہ ترنم ریاض سنز شاعری پرٕ مژٕتہ تاہم چھو میانہ نظر منزِ ترنم ریاض سندِس قلمس منز شاعرانہ کتھٕ گرایہ ماران لبنہ یوان۔ یہند لفظٕ گرت تہٕ جملن ہنز ہندِ حوالہٕ چھو بہ یہ کتھ ونان۔ یہ آخرس پیٹھ گئی میانِ نظر ہنز یمن متلق رائے یتھ کنٕئی

اگر لاگہ لفظن عروٗضنک تہٕ ساز
کریس زوٗل اچھرن ترنم ریاض
اگر بخشِ شارن گتھن ہند مزاز

کریس زوٗل اچھرن ترنم ریاض

کئرِتھ چھانٹہ لفظن ہنز، ہاوِ پوٗر
سکِتھ شارِ ژائنکس، جرتھ تھاوِ زوٗر
یہ زن شٲعراہ بکتھ احمد فراز
کریس زوٗل اچھرن ترنم ریاض

☆☆☆

تصحیح الاغلاط

صفحہ نمبر	سطر	غلط	صحیح
12	9	عمر دراز	عمر درازی
25	15	کون رکھے	کون رکھے گا
38	3	یہ قطرے	قطرے
40	14	کسے	کیسے
42	11	جنگ	جنگل
50	9	بہانے کے لئے	بہانے کے
58	10	آلو بخا	آلو بخارے
68	4	بھری	اُبھری
80	3	ہوں کے	ہوں گے
99	11	زمیں پر یہ کا منظر آسمانی	زمیں پر کا یہ منظر آسمانی
106	5	کوسہاروں	کوہساروں
106	12	فریاد	فرہاد
111	2	بے صبری سی	بے صبری سے
127	9	دیکھوں	دیکھو
142	7	عمارت	امارت
146	1	دل میرا دھکنے لگتا ہے	دل میرا دکھنے لگتا ہے
164	2	پریشان	پریشاں
166	7	کہ دل کہ	کہ دل کے
168	5	دی	دے
174	1	سَحر	سحر
174	8	سَحر	سحر
193	8	ملبے یہ	ملبے پہ
197	5	وجو	وجود
200	5	نشیں	نشین
208	4	بائیں اور	بائیں اور کا
208	7	رات بھر بارش ہوئی ہے	یہ سطر غلط چھپ گئی
224	9	بنبش	جنبش
225	6	چگاڈڑیں	چمگاڈڑیں
236	1	منتظر ہے شام	غلطی سے یہ نظم دوبارہ چھپ گئی
244	4	تم	وہ
244	11	نو	تو
245	4	میر	میرا
245	5	تہذیب یہ	تہذیب پہ
252	2	مجھ کو رب گڑھا	مجھ کو رب نے گھڑا
255	9	لفظ کا	لفظ کے
257	5	ترے	تیرے
265	7	گیارہ	اتنے
267	14	چاہے	چاہئے
276	8	شے کا	شے سا
278	2	دربسر	دربدر
278	9	تحویل میں	تحویل میں ہیں
279	2	پرچھائی	پرچھائیں
285	1	خیر	خبر
285	14	مصنف	منصف
286	4	ہوئی	ہوں
289	2	ننھا سا بچہ	ننھا بچہ
298	3	رنگوں کی بڑی تصویر	رنگوں کی بڑی تصویر کی
299	17	ناپیداز	ناپید

ZER-E-SABZAH MEHV-E-KHWAAB

(Poetry)

by

Dr. Tarannum Riyaz

EDUCATIONAL
PUBLISHING HOUSE
www.ephbooks.com

978-93-5073-597-8